سیرت میں نقد ونظر کا دائرۂ کار اور اصول

دورِ جدید کی چند اہم تالیفاتِ سیرت کی روشنی میں ایک جائزہ

محمد احمد رضا☆

Abstract

The approaches to the Study of Seerah or the life of the holy Prophet Muhammad (Peace be upon him) has been the subject of interest for the Muslim scholars and the Orientalists of the past, present, and will remain in the future. All, have been studying and interpreting the Seerah of the holy Prophet Muhammad (peace be upon him) from spiritual, social, eoconomic and political perspectives. This academic endeavour is prevaling till this day, and will remain under focus till the Day of Judgement. This paper attempts to understand contemporary approaches or methodology undertaken by the Seerah writers, in the field of Seerah from a critical perspective. Specimens of these new approaches have been discussedin this article.

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ دورِ جدید سیرت اور اسلامی تاریخ کے لحاظ سے نقد ونظر، غور وفکر اور چھان پھٹک کا دور ثابت ہوا۔ اس سے پہلے اس میدان میں جو تصنیفی وتالیفی خدمات سرانجام دی گئیں، ان پر ایک

☆ جامعہ عبداللہ بن عباس فیصل آباد۔ ملحق جامع مسجد الرشید، سینا ٹاؤن، شیخوپورہ روڈ فیصل آباد

ای میل: raqimrriza@gmail.com

عمومی نگاہ ڈالی جائے، تو ان پر ضبط و تدوین، جمع وترتیب اور مختلف اسالیب کے تحت کثرتِ مضامین کی چھاپ نظر آتی ہے۔ روایت ودرایت کے تحت نقد ونظر کا اسلوب بھی کسی حد تک ملحوظ، لیکن غیر نمایاں ہے، جب کہ دورِ جدید میں ان ہی موضوعات پر جو کچھ لکھا گیا یا لکھا جا رہا ہے، اس میں نقد ونظر اور بیداریٔ فکر کا عنصر غالب نظر آتا ہے۔ راقمِ سطور کے ناقص خیال میں دورِ قدیم اور دورِ جدید کی سیرت نگاری کے مابین یہ ایک اہم اور بنیادی فرق ہے۔

تاہم قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ موادِ سیرت کی چھان پھٹک اور جانچ پرکھ جو دورِ قدیم میں بھی ہوتی رہی، اور دورِ جدید میں بھی ہو رہی ہے، اس کا دائرۂ کار کیا ہے؟ دورِ قدیم میں جو اصولِ نقد ونظر سیرت نگاروں کے پیشِ نظر رہے، ان کے بارے میں دورِ جدید کے سیرت نگاروں کے رویے کیا ہیں؟ زیرِ نظر مضمون میں ان ہی نکات پر روشنی ڈالنا مقصود ہے۔

سیرت میں نقد ونظر کا دائرۂ کار

دورِ جدید میں سیرت نگاری اور اس میں اصولِ روایت ودرایت کے تحت نقد ونظر کے دائرۂ کار کی بات ہو، تو سب سے پہلے یہ طے ہونا ضروری ہے کہ سیرت، تاریخ کا حصہ ہے یا حدیث کا؟ کیوں کہ اگر یہ تاریخ کا حصہ ہے تو اس میں نقد ونظر کا دائرۂ کار وہی ہوگا جو عام طور پر تواریخ میں ہوتا ہے، اور اس کو اسی میزان پر تولنا ہوگا جس پر عام تاریخی واقعات کو تولا جاتا ہے، لیکن اگر یہ حدیث کا حصہ ہے تو اس کی حدودِ اربعہ کچھ اور ہوں گی، اور اس میں نقد ونظر کے لئے وہ کسوٹی قائم کرنی ہوگی جس پر قرنِ اول سے لے کر آج تک نقادِ حدیث مختلف انواعِ حدیث کو پرکھتے اور کھرے کھوٹے کی تمیز کرتے چلے آئے ہیں۔

اس بات کی وضاحت یوں بھی کی جا سکتی ہے کہ دورِ جدید میں موضوعاتِ سیرت پر لکھنے والوں میں ایک بڑی تعداد اُن مغربی ناقدین کی بھی ہے (۱) جو سیرت کو عام تواریخ کی طرح ایک تاریخ ہی گردانتے ہیں، اور تاریخی واقعات کی صداقت جانچنے کے عقلی پیمانوں پر واقعاتِ سیرت کو جانچنے کے خوگر ہیں، اگر کوئی بات ان کے پیمانوں یا مادّہ پرست عقول سے بالاتر معلوم ہوتی ہے، تو اس کا انکار کرنے، اور اس سے متعلق ذخیرۂ سیرت کو ناقابلِ اعتبار قرار دینے میں وہ کسی قسم کا باک محسوس نہیں کرتے، لہٰذا سیرت میں نقد ونظر کی حدودِ اربعہ واضح کرنا ضروری ہے، اور یہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک یہ طے نہ ہو جائے کہ سیرت حدیث ہے یا تاریخ؟

سیرت حدیث ہے یا تاریخ؟

تاریخی واقعات وحکایات جمع کرنے، اور رکھنے کا دستور تو بہت پرانا، اور ہر ملک، ہر خطے، اور طبقے کے لوگوں میں چلا آتا ہے، اسلام نے بھی بعض دنیوی واخروی مصالح کے پیشِ نظر فنِ تاریخ کو اہمیت دی (۲) لیکن اسلامی تاریخ اور دیگر غیر اسلامی تواریخ میں نقطۂ امتیاز یہ ہے کہ اسلامی تاریخ دیگر تواریخ کی طرح بالکل بے سند، ناقابلِ اعتبار کہانیوں کا مجموعہ نہیں ہے، بل کہ اسلام نے تاریخ کو بھی ایک قسم کی روایت کا درجہ دیا، حکایت اور روایت میں بلاضرورت مبالغہ آمیزی اور کذب بیانی سے سختی سے منع کیا، اور دنیا کو نقل وروایت کے ایسے پختہ اصول دیئے، جن سے اس سے قبل کے تمام اربابِ فہم ودانش نابلد تھے، پھر تاریخ میں بھی اصولِ روایت کی رعایت کر کے اسے مستند ومعتبر بنانے کی مقدور بھر کوشش کی، (۳) لہٰذا اگر یہ کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا، کہ تاریخ کو ایک حد تک معتبر ومستند فن کی حیثیت دینے والے مسلمان اہلِ علم ہی ہیں، ان ہی نے دنیا کو تاریخ لکھنے اور اس کی تنقیح وتنقید کا ڈھنگ سکھایا، سچ اور جھوٹ، معتبر وغیر معتبر کو الگ الگ کرنے کے طریقے بتلائے، روایاتِ حدیث اور انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی سیرتوں کو جداگانہ اہمیت دی، نہ صرف ان میں کھرے کھوٹے کے مابین تمیز کے اصول دیئے بل کہ سچ اور معتبر روایات کے درمیان بھی درجہ بندی کی ریت ڈالی۔ (۴) اسلامی تاریخ کی یہ تمام خصوصیات ایسی ہیں کہ جن کو اس قبل غیر اسلامی تاریخ جانتی بھی نہیں تھی۔ (۵)

اس تناظر میں اگر ذخیرۂ حدیث اور سیرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غور کیا جائے تو وہ پورا ذخیرہ ہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور اعمال کی تاریخ ہے (۶) اور اس لحاظ سے سیرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف یہ کہ تاریخ کا حصہ ہے، بل کہ اسلامی تاریخ کی فاتحہ بھی ہے، (۷) تاہم جس طرح حدیث کے اخذ ونقل، استناد واعتماد اور روایت ودرایت کے اصول وقواعد، اسے بے سند تاریخی قصوں سے ممتاز کرتے ہیں، اسی طرح حدیث ہی کا ایک حصہ، اور اسی کی ایک ذیلی شاخ ہونے کی وجہ سے سیرت بھی ان عام تواریخ اور ان میں منقول بے سند واقعات وبے سروپا حکایات سے بہت برتر اور بلندتر ہے، اس لئے اسے عام تواریخ کا حصہ قرار دینا، سخت ناانصافی اور بڑی علمی غلطی ہے۔

کیا سیرت حدیث کا حصہ ہے؟

دورِ جدید کے سیرت نگاروں کے ہاں اس بارے میں دو طرح کے خیالات ملتے ہیں:

۱۔ سیرت، حدیث کا ایک حصہ اور اسی کی ایک نوع ہے۔

۲۔ سیرت، حدیث کا حصہ نہیں ہے، بل کہ دونوں علیحدہ علیحدہ فن ہیں۔

صحیح اور راجح بات یہ ہے کہ سیرت، اپنی اصل اور بنیاد کے لحاظ سے حدیث ہی کا ایک حصہ اور اسی کی ذیلی شاخ ہے، اس موقف کے رجحان پر بہت سے دلائل پیش کئے جاسکتے ہیں، جن میں سے چند حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ نقل وروایت کے باب میں اس فرمانِ نبوی: **مَنْ كَذَبَ عَلَىَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّا مَقْعَدَه مِنَ النَّارِ** (۸) کی اصولی حیثیت کسی صاحبِ علم سے مخفی نہیں، سماع وروایتِ حدیث کے بھرپور احتیاط پر مبنی قواعد وضوابط، اسی وعیدِ شدید کی بنا پر ملحوظ رکھے گئے ہیں، چناں چہ دورِ جدید کے معروف سیرت نگار حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ (متوفی ۱۹۵۳ء) تحریر فرماتے ہیں:

> خود اسی جذبۂ عشق اور اسی ولولۂ شوق نے ثقات محدثین اور علمِ حدیث کے اکابر کو روایتوں اور راویوں کے نقد وبحث میں اس قدر سخت گیر بنا دیا تھا کہ وہ ایک لفظ بھی تحقیق اور کاوش کے بغیر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا گناہِ عظیم سمجھتے تھے، اور مَنْ كَذَبَ عَلَىَّ مُتَعَمِّداً کی دار وگیر سے ہمیشہ ڈرتے اور کانپتے رہتے تھے۔ (۹)

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۷۶ء) تحریر فرماتے ہیں:

> اس وعیدِ شدید نے صحابۂ کرام اور مابعد کے علمائے حدیث کو نقلِ روایت میں ایسا محتاط بنا دیا کہ جب تک نہایت کڑی تنقید وتحقیق کے ساتھ کسی حدیث کا ثبوت نہ ملے اس کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کرنے سے گریز کیا۔ (۱۰)

دورِ جدید میں برصغیر کے محقق سیرت نگار مولانا حکیم عبد الرؤف داناپوریؒ رقم طراز ہیں:

> یہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہے، آپ کا ایک ایک لفظ، اور ایک ایک فعل اسلام کے لئے حجت ہے، روایات کے الفاظ اور مفاہیم کے ادنیٰ تغیر سے مذاہب بن گئے ہیں، اس لئے ہر ہر سطر، ہر ہر لفظ، اور ہر ہر روایت کو بڑی جانچ اور بڑی احتیاط سے لکھنے کی ضرورت ہے۔ (۱۱)

مندرجہ بالا اقتباسات کی روشنی میں مذکورہ بالا حدیث کا عموم بتا رہا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہر بات، حدیث ہی کے زمرے میں آتی ہے، (۱۲) بل کہ سیرت میں چوں کہ موضوعِ سخن براہِ راست آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہی ہوتی ہے۔ (۱۳)، لہٰذا سیرت اس کا مصداق بننے کے زیادہ لائق ہے۔

۲۔ حدیث کی اصطلاحی تعریف میں سیرت کو ملحوظ رکھا گیا ہے، معروف استاد حدیث ڈاکٹر نورالدین

عتر کے بقول حدیث کی پسندیدہ تعریف یہ ہے:

هو ما اضيف إلى النبى صلى الله عليه وسلم من قول او فعل او تقرير او وصف خِلقِیٌ او خُلُقِیٌ او اضيف إلى الصحابى او التابعى (۱۴)

حدیث ہر اُس قول، فعل، تقریر وتائید اور اُن طبعی خوبیوں اور اخلاقِ حسنہ کا نام ہے، جن کو آپ ﷺ کی نسبت سے بیان کیا جائے، یا وہ کسی صحابی یا تابعی کی طرف منسوب ہو۔

اس تعریف کے الفاظ پر ایک مرتبہ پھر نظر ڈالئے، اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل اور تقریر کو سیرت کا نام نہ بھی دیا جائے، لیکن وصف خِلقِیٌ او خُلُقِی کو سیرت کے ماسوا کیا نام دیا جائے گا؟

۳۔ علمِ حدیث اور اس کی اقسام وانواع کے بیان میں جن حضرات نے دادِ تحقیق دی، انہوں نے سیرت کو حدیث کی انواع میں شمار کیا ہے، چناں چہ امام حاکم رحمہ اللہ (متوفی ۴۰۵ھ) تحریر فرماتے ہیں:

ذكر النوع الثامن والاربعين من علوم الحديث هذا النوع من هذه العلوم معرفة مغازى رسول الله صلى الله عليه وسلم وسراياه وبعوثه وكتبه إلى ملوك المشركين ومايصح من ذلك ومايشذ، وما ابلى كل واحد من الصحابة فى تلك الحروب بين يديه ومن ثبت ومن هرب ومن تجبن عن القتال ومن كر ومن تدين بنصرته ﷺ ومن نافق وكيف قسم رسول الله ﷺ الغنائم، ومن زاد ومن نقص، وكيف جعل سلب القتيل بين الاثنين والثلاثة، وكيف اقام الحدود فى الغلول، وهذه انواع من العلوم التى لا يستغنى عنها عالم (۱۵)

علوم حدیث کی اڑتالیسویں نوع کا بیان: علومِ حدیث کی اس نوع میں رسول اللہ ﷺ کی معرکہ آرائیوں، فوجی دستوں، فرستادوں، اور مشرکین میں سے سربرآوردہ لوگوں کے نام آپ ﷺ کی خط وکتابت کا جاننا اور اس سلسلے میں ''صحیح'' اور ''شاذ'' روایات کا پہچاننا پیشِ نظر ہوتا ہے، اور یہ بھی کہ ان غزوات میں آپ کے سامنے صحابہ میں سے ہر ایک نے کیا کارنامہ انجام دیا، کون ثابت قدم رہا، کس نے راہِ فرار اختیار کی، اور کس نے دین پر عمل کر کے آپ کی نصرت کی، اور کون منافق تھا، اور رسول اللہ ﷺ نے اموالِ غنیمت کو کیسے تقسیم فرمایا، کس کو زیادہ دیا، کس کو کم دیا، اور دو، تین مجاہدین کے مابین ایک مقتول سے

چھینے گئے سامان کی تقسیم سے متعلق کیا فیصلہ فرمایا، اور مالِ غنیمت میں خیانت کی صورت میں حد کیسے جاری کی۔ علومِ حدیث کی یہ قسم اس قدر اہم ہے کہ کوئی صاحبِ علم اس سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔

امام حاکم رحمہ اللہ (متوفی ۴۰۵ھ) کے درجِ بالا بیان سے چند اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں:

الف۔ پانچویں صدی ہجری کے اوائل تک سیر ومغازی کو علومِ حدیث کی ایک نوع کی حیثیت سے جانا جاتا تھا۔

ب۔ اس زمانے میں عنوانِ مغازی کے تحت صرف غزوات اور سرایا کا بیان ہی نہیں ہوتا تھا، بل کہ آپ ﷺ کی سفارتوں اور قبائلی سرداروں سے کی گئی خط وکتابت جیسے دیگر امور بھی اس کے تحت بیان ہوتے تھے۔

ج۔ اس نوع کی احادیث میں بھی محدثینِ کرام کو صحت وشذوذ وغیرہ کا لحاظ رہتا تھا۔

د۔ محدثین کے ہاں اس کی اہمیت کا یہ عالم تھا کہ کسی صاحبِ علم کو اس سے استغنا نہ تھا۔

۴۔ امہات کتبِ حدیث میں سیرت کے ابواب کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، حدیث کی تمام بڑی اور اہم کتب، روایاتِ سیرت کے معتد بہ ذخیرے پر مشتمل ہیں، حتی کہ محدثین کے ہاں کوئی کتاب اس وقت تک جامع کی سند نہیں پاتی، جب تک اس میں دیگر اصنافِ حدیث کے ساتھ ساتھ سیرت کے ابواب شامل نہ ہوں۔ (۱۶)

۵۔ کتبِ شمائل، دلائلِ نبوت، معجزات وخصائص، مغازی وسیر، عمل الیوم واللیلۃ، آداب واخلاقِ نبوی اور حقوقِ مصطفیٰ وغیرہ اقسامِ کتب کو محققین بلا تکلف اصنافِ کتبِ حدیث میں شمار کرتے آئے ہیں، (۱۷) اب کیسی عجیب بات ہوگی کہ یہ ہی مواد مذکورہ بالا عناوین کے تحت ہو تو حدیث کہلائے، لیکن اگر کسی کتاب میں سیرت کے نام سے جمع کر دیا جائے تو وہ کوئی الگ چیز بن جائے!

۶۔ طالبِ حدیث کے آداب کے تحت خطیب بغدادی (متوفی ۴۶۳ھ) نے جب یہ بتایا کہ کون کون سے موضوعات پر احادیث کا لکھنا اور اساتذہ کرام سے روایت کرنا ایک طالبِ حدیث کے لئے ضروری ہے، تو انہوں نے کتبِ مغازی کو بھی با قاعدہ عنوان دے کر ان اصنافِ کتبِ حدیث میں شمار کیا:

كتب احاديث المغازى: تتعلق بمغازى رسول الله صلى الله عليه و سلم احكام كثيرة فيجب كتبها و الحفظ لها (۱۸)

کتبِ احادیثِ مغازی: رسول اللہ ﷺ کے غزوات سے بہت سے احکام متعلق ہیں، اس لئے

ایک طالبِ حدیث کے لئے کتب احادیثِ مغازی کا بغرض روایت لکھنا اور یاد رکھنا ضروری ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پانچویں صدی ہجری تک، کتب سیر ومغازی کا سننا، لکھنا، اور نقل وروایت کی غرض سے یاد کرنا، ایک طالبِ حدیث کے نصاب (Syllabus) کا حصہ تھا، ملحوظ رہے کہ محدثین کرام طلبۂ حدیث کو غیر متعلقہ علوم وفنون میں مشغول ہونے کی ہرگز اجازت نہیں دیتے تھے۔

۷۔ عہدِ رسالت وعہدِ صحابہ میں حدیث کی کتابت کی جو مثالیں پیش کی جاتی ہیں، ان میں سے بیشتر کا تعلق سیرت کے باب سے ہے(۱۹) چناں چہ اگر سیرت کو حدیث سے الگ قرار دیا جائے تو اس تحریری سرمایہ کو کتابتِ حدیث قرار دینا کیوں کر صحیح ہوگا؟

سب سے اہم بات یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مجسمِ شریعت کا باقاعدہ مشاہدہ کرنے والے لوگ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، یہ ہی روایاتِ سیرت کے اولین راوی ہیں، ان حضرات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو والہانہ عقیدت اور محبت تھی، اپنے پرائے سب اس کے شاہد تھے۔ (۲۰) وہ لوگ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء کا پانی تک زمین پر گرنے نہیں دیتے تھے، آپ کے جسدِ اطہر سے جدا ہونے والے بالوں کو مایۂ صد افتخار جانتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ استعمال رہنے والی چیزوں کو ناقابلِ استعمال ہوجانے کے باوجود سعادت سمجھ کر محفوظ رکھتے تھے، وہ کیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کے درمیان شریعت وسیرت، عادت وعبادت کی تفریق کرسکتے تھے؟ واقعہ یہ ہے کہ ان حضرات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ہر قول وفعل اور طرزِ عمل کو خواہ وہ عبادات سے متعلق ہو یا عادات سے، اوامر ونواہی سے متعلق ہو یا سیر ومغازی سے، بلاتفریق محفوظ کیا اور طبقۂ تابعین تک پہنچایا۔ (۲۱) تابعین نے بھی اس کو حدیث کے طور پر ہی روایت کیا۔

چناں چہ باقاعدہ تدوین کا دور آیا، تو جن قلموں سے حدیث کی تدوین ہوئی، ان ہی قلموں سے سیرت کی بھی تدوین ہوئی۔ (۲۲) حدیث کی روایت وکتابت کے جو طرز اختیار کئے گئے، وہی سیرت کی روایت وکتابت کے طریقے قرار پائے۔ حدیث کی مختلف انواع کے لئے جو اصطلاحات استعمال کی گئیں وہی سیرت کے لئے بھی استعمال ہوئیں۔ جن حضرات محدثین نے حدیث کی جانچ پرکھ کے اصول مرتب کئے ان ہی نے سیرت کی چھان پھٹک کے اصول بھی تیار کئے۔ اصولِ حدیث کی جن کتابوں میں وہ بیان ہوئے ان ہی میں یہ بیان ہوئے، حدیث کی باقاعدہ تعریف کی بات ہوئی تو اس میں سیرت کو باقاعدہ حیثیت دے کر شامل کیا گیا، حدیث کی انواع واقسام کی بحث ہوئی تو سیرت کو اسی کی ایک نوع کی حیثیت سے یاد رکھا گیا، گویا موضوع کی تخصیص کے علاوہ سیرت وحدیث میں کوئی خاص فرق روا نہ رکھا گیا، بل کہ

سیرت کو حدیث ہی کی ایک نوع کی حیثیت سے دیکھا، پڑھا، سیکھا، سمجھا اور پرکھا جاتا رہا۔

کیا حدیث اور سیرت میں کوئی فرق نہیں؟

ہاں! اتنی بات ضرور ہے کہ علومِ حدیث میں تنوع اور ترقی کے ادوار میں، جب حدیث کی جمع و تالیف میں مختلف انداز اور طرز اختیار کئے جانے لگے، علمِ حدیث کی تمام انواع و اقسام کو الگ الگ موضوعِ تحقیق بنایا گیا، ہر نوع کی جداگانہ حیثیت سے خدمت کی گئی، اور موضوع کے اختصاص کے ساتھ تصنیف و تالیف کا دور چلا، ہر موضوع کے مختصین بھی الگ الگ ہوئے، تو وسعتِ ذخیرہ کی بنا پر علمِ حدیث کی ہر نوع بہ جائے خود ایک فن کی حیثیت اختیار کرتی چلی گئی، اور علمِ حدیث کی ان شاخوں اور انواع پر انواعِ علم الحدیث کی جگہ علوم الحدیث جیسے الفاظ کا اطلاق ہونے لگا، گویا کہ ہر نوع اور ہر قسم بہ ذاتِ خود ایک علم کی حیثیت اختیار کر گئی، ایسے میں سیرت کا ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کر جانا بھی ایک لازمی سی بات ہے، چناں چہ مولانا حکیم عبدالرؤف داناپوری صاحب تحریر فرماتے ہیں:

> امام زہری سے پہلے سیرت اور حدیث کے عالموں میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا...... امام زہری کے وقت میں چار عالم بے نظیر سمجھے جاتے تھے، ابن المسیب مدینے میں، شعبی کوفہ میں، حسن بصری بصرے میں، اور مکحول شام میں۔ یہ سب ائمۂ حدیث بھی ہیں اور ائمۂ سیر بھی، زہری ان چاروں کے فیض یافتہ تھے، اور امام زہری کے شاگردوں ہی نے سنن اور سیرت کو بہ ظاہر دو فنوں کی حیثیت سے نمایاں کیا، ایک طرف امام مالک اور سفیان بن عیینہ جیسے ائمۂ حدیث ان کے شاگرد تھے، جنہوں نے علمِ حدیث کی بنیاد کو مستحکم کیا۔ اور دوسری طرف امام السیر والاخبار محمد بن اسحاق بن یسار اور موسیٰ بن عقبہ ان کے شاگرد تھے، جن کی روایات اور تصنیفات سے فنِ سیرت ایک مستقل فن بن گیا۔ (۲۳)

اس ترقی اور تنوع کی بنا پر سیرت کو علومِ حدیث میں سے ایک علم اور فنونِ حدیث میں سے ایک فن، تو کہا جا سکتا ہے، لیکن حدیث سے بالکل الگ قرار دینا درست نہیں، کیوں کہ یہ ترقی سیرت کا ہی خاصہ نہیں، بل کہ دیگر علومِ حدیث میں بھی ہوئی ہے، اس کے باوجود ان ہیں حدیث سے الگ شمار نہیں کیا جاتا، مثلاً فنِ علل حدیث کے بارے میں امام حاکم رحمہ اللہ (متوفی ۴۰۵ھ) تحریر فرماتے ہیں:

> **النوع السابع والعشرین معرفة علل الحدبث : هذا النوع منه معرفة علل الحديث وهو علم براسه غير الصحيح والسقيم والجرح والتعديل (۲۴)**

علم حدیث کی ستائیسویں نوع علل حدیث کی پہچان اس نوع کے ذریعے حدیث کی علل کو جانا جاتا ہے، یہ صحت وضعف اور جرح وتعدیل کے علاوہ ایک مستقل علم ہے۔

دیگر علوم حدیث کی طرح فنِ عللِ حدیث کو بھی اختصاص حاصل ہوا، اس کے مختصین بھی جدا ہوئے، جنہوں نے مختلف اسالیب کے تحت اس کی مستقل تصنیفی وتالیفی خدمات کیں، لیکن اس کے باوجود اسے علومِ حدیث ہی کا حصہ قرار دیا جاتا ہے۔

اسی طرح فنِ اسماء الرجال کو بہ راہِ راست رسول اللہ ﷺ کی ذات منبع الخیرات سے کوئی تعلق نہیں، البتہ تاریخ سے گہرا تعلق ہے، حفاظتِ حدیث کی خاطر اس کی داغ بیل ڈالی گئی۔ (۲۵) اور حدیث کے خادم فن کی حیثیت سے اِسے علومِ حدیث میں شمار کیا گیا، ترقی اور تنوع اس میں بھی ہوا، اس کا ذخیرہ بھی الگ مرتب ہوا، اس کے مختصین بھی الگ ہوئے، حتیٰ کہ اس کو بھی ایک مستقل علم کی حیثیت حاصل ہوئی، لیکن آج تک اسے علومِ حدیث ہی کا حصہ سمجھا جاتا ہے، چناں چہ مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں:

تاریخ کا یہ حصہ جس کا تعلق حدیث کے راویوں اور ان کے ثقہ وغیر ثقہ، قوی یا ضعیف ہونے سے ہے، ایک حیثیت سے حدیث ہی کا جزو سمجھا گیا ہے، اور ائمۂ حدیث ہی نے اس کے لکھنے کا اہتمام فرمایا، اس کا نام بھی مستقل فنِ اسمائے رجال رکھا گیا (۲۶)

یہ ہی وجہ ہے کہ دورِ قدیم ہو یا جدید محتاط سیرت نگاروں نے جب بھی سیرت کے کسی موضوع پر قلم اٹھایا، یا سیرت سے متعلقہ مواد کی جانچ پرکھ کی ضرورت پیش آئی، تو محدثین کرام کے اصولِ روایت ودرایت ہی ان کے پیشِ نظر رہے، ہمیشہ ان ہی پر تکیہ کیا گیا اور اب تک کیا جارہا ہے، قدیم وجدید سیرت نگاروں کے مقدمات اور تالیفی منہج اس بات پر شاہدِ عدل ہیں۔ (۲۷) اس موقع پر بہ طورِ مثال صرف دورِ جدید کے چند نامور سیرت نگاروں کے کچھ اقتباسات پیشِ خدمت ہیں:

معروف سیرت نگار ومؤرخ مولانا سید سلیمان ندویؒ (متوفی ۱۹۵۳ء) فرماتے ہیں:

ان لوگوں کو جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور متعلقاتِ زندگی کی روایت، تحریر اور تدوین کا فرض انجام دیتے تھے، راویانِ حدیث وروایت یا محدثین اور اربابِ سیر کہتے ہیں، جن میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ اور بعد کے چوتھی صدی ہجری تک کے اشخاص داخل ہیں، جب تمام سرمایۂ روایت، تحریری صورت میں آگیا تو ان تمام راویوں کے نام ونشان، تاریخ زندگی، اخلاق وعادات کو بھی قیدِ تحریر میں لایا گیا، جن کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے، اور ان سب کے مجموعۂ احوال کا

نام اسماء الرجال ہے۔ (۲۸)

مولانا حکیم عبدالرؤف دانا پوریؒ رقم طراز ہیں:

بہ ہر کیف سیرت کی یہ تین کتابیں (مغازیٔ موسی بن عقبہ، مغازیٔ ابن اسحاق، طبقاتِ ابن سعد) امہات کتب ہیں، اور ان کی ایک ایک روایت کو محدثین نے جانچا ہے، اور اس کی توثیق کی ہے یا انکار، ان کے بعد جو کتابیں لکھی گئیں ان میں جو بھی قابلِ توجہ تھیں اور اصحابِ فن کی تصنیف تھیں ان کی روایتوں پر بھی محدثین نے سند اور معنی کے اعتبار سے بحث کی ہے، اور بتایا ہے کہ کون سی روایت کس درجے کی ہے، کون قابلِ قبول ہے اور کون قابلِ رد۔ (۲۹)

نامور شارح حدیث و مفسر مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۷۶ء) تحریر فرماتے ہیں:

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل سیرت تو پوری حدیث ہے، لیکن متقدمین کی اصطلاح میں فقط غزوات اور سرایا کے حالات اور واقعات کے مجموعہ کو سیرت کہتے ہیں۔ حدیث آٹھ علوم کے مجموعہ کا نام ہے، اور سیرت اس کا ایک جز ہے:

سیر، آداب و تفسیر و عقائد

فتن، اشراط و احکام و مناقب

لیکن اس زمانے میں سیرت کا اطلاق سوانح عمری پر کیا جاتا ہے، محدثین نے جرح و تعدیل کے جو قواعد مقرر کئے اور صحیح و سقیم کے پہچاننے کا جو معیار قائم کیا، وہ بلا کسی تفریق اور تخصیص کے سب جگہ ملحوظ رکھا گیا، اور تمام حدیثیں خواہ احکام سے متعلق ہوں یا مغازی اور مناقب سے سب اسی معیار سے جانچی گئیں ......الحاصل صحت و ضعف کا جو معیار اور جو ضابطہ احادیثِ احکام میں ہے، وہی مغازی اور سیر میں ہے، اسی ضابطے سے سب احادیث کو جانچا جاتا ہے، اور اسی کے مطابق بلاتفریق صحیح اور ضعیف کا حکم لگایا جاتا ہے۔ (۳۰)

نیز اپنی کتاب سیرت المصطفیٰ کے لئے اپنا منہج تالیف بیان کرتے ہیں:

اس ناچیز نے بھی جو ان ہی حضرات (محدثین) کے علوم کا ترجمان اور خادم ہے، اپنی اس مختصر سیرت میں جہاں صحتِ ماخذ اور روایات کے معتبر اور مستند ہونے کا التزام کیا ہے، وہاں اسرار و حکم کا بھی کچھ اہتمام کیا ہے، جو ان شاء اللہ العزیز نافع اور مفید ہوگا۔ اس سیرت میں جتنا بھی علمی سرمایہ اور ذخیرہ آپ دیکھیں گے، وہ سب حضرات محدثین کا ہے،

اور وہی اس کے مالک ہیں...... چوں کہ اس علم میں حضراتِ محدثین ہمارے استاذ ہیں، اور ہمارے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان وہی واسطہ ہیں، اس لئے محدثین کے اصول وقواعد کا اتباع ضروری اور لازم سمجھا.... اس لئے آپ ان شاء اللہ العزیز اس کتاب میں کسی جگہ حضراتِ محدثین کے اصول سے عدول اور سرتابی نہ پائیں گے۔ (۳۱)

شیخ محمد بن رزق بن طرہونی ''صحیح السیرۃ النبویۃ'' میں اپنا منہجِ تالیف بیان فرماتے ہیں:

وعلی هذا المنوال سرت بحیث لااذکر فی صلب الکتاب إلا المتون فقط بشرط الصحة او الحسن لذات الاثر او لغیره، حتی فیما اذکره من اسماء او انساب او اماکن او نحوها (۳۲)

شیخ منیر محمد غضبان تحریر فرماتے ہیں:

وإن کانت السیرة النبویة هی ماورد عن رسول اللّٰه ﷺ من قول او فعل او تقریر او صفة، فافعال النبی ﷺ تبرز اکثر ما یکون فی السیرة (۳۳)

مزید تحریر فرماتے ہیں:

کا ن المشتغلون بالسیرة اولا محدثین ناقلین، ثم راینا من جاء بعدهم جامعین مبوبین، ولما استوی للمتاخرین ما جمع المتقدمون، جاء طور النقد و التعلیق (۳۴)

ان تمام حوالہ جات کا حاصل یہ ہے کہ سیرت اپنی اصل اور بنیاد کے لحاظ سے حدیث ہی کی ایک شاخ اور فرع ہے، تاہم جداگانہ تحقیقی وتالیفی خدمات کی بہ دولت دیگر علومِ حدیث کی طرح یہ بھی ایک مستقل فن کی حیثیت رکھتی ہے، اسی بنا پر کتبِ سیرت اپنے مناہج اور اسلوب وغیرہ کی بنا پر دیگر کتبِ حدیث سے کئی وجوہ سے اختلاف بھی رکھتی ہیں۔

دورِ جدید کے بعض سیرت نگار اس کے برعکس موقف بھی رکھتے ہیں، اور ان کا خیال ہے کہ سیرت حدیث سے جدا اور الگ فن ہے، راجح موقف کے تفصیل سے سامنے آجانے کے بعد اس موقف کی تردید کی ضرورت نہیں، تاہم برعظیم کی دو صاحبِ طرز سیرت نگار شخصیات، علامہ شبلی نعمانی (متوفی ۱۳۳۲ھ) اور مولانا حکیم عبدالرؤف داناپوری، جن کا شمار بلاشبہ دورِ جدید کے چند قابلِ ذکر سیرت نگاروں میں بھی ہے، ان دونوں حضرات نے زیرِ بحث مسئلے پر کسی قدر تفصیلی گفت گو کی ہے، اس موقع پر اگر ان حضرات کی آرا کا مفصل تذکرہ وتجزیہ نہ ہو تو بات کئی پہلوؤں سے تشنۂ تکمیل رہ جائے گی، لہٰذا ان دونوں بزرگوں کی آرا بہ مع

تجزیہ وتبصرہ حسب ذیل ہیں:

حدیث وسیرت کا ارتباط اور داناپوریؒ

حدیث اور سیرت کے باہمی ارتباط پر حکیم عبدالرؤف داناپوریؒ اپنی مایۂ ناز کتاب اصح السیر کے مقدمے میں تحریر فرماتے ہیں:

اصحابِ حدیث دراصل تین امور کو جمع کرتے ہیں: ۱۔ رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا، ۲۔ رسول اللہ ﷺ نے کیا کام کیا، ۳۔ رسول اللہ کے سامنے یا رسول اللہ کے وقت میں کیا کیا گیا۔

اصحابِ سیرت بھی ان ہی تین امور کو جمع کرتے ہیں، اس لئے اصل کام دونوں کا ایک ہے، مگر باوجود اس کے دونوں میں بڑا فرق ہے، اصحابِ حدیث کا مقصود بالذات احکام کو جاننا ہوتا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی ذات سے ان کی بحث ضمناً یا التزاماً ہوتی ہے، اور اصحابِ سیر کا مقصود بالذات رسول اللہ ﷺ کو جاننا ہے، احکام پر ان کے یہاں بحث ضمناً ہوتی ہے، اس لئے محدثین کا مدار بحث یہ ہوتا ہے کہ یہ فعل یا یہ قول رسول اللہ ﷺ کا ہے یا نہیں، ان کی تمام تر قوت اس تحقیق میں صرف ہوتی ہے کہ اس قول یا فعل کا انتساب رسول اللہ ﷺ کی طرف صحیح ہے یا نہیں۔ لیکن اصحابِ سیرت کو یہ بھی کرنا پڑتا ہے اور اس کے سوا دو باتیں اور معلوم کرنی پڑتی ہیں، ایک یہ کہ حضور ﷺ نے کب ایسا کہا یا کیا، دوم یہ کہ ایسا کہنے یا کرنے کی وجہ کیا ہوئی، اصحابِ سیرت حضور کے اقوال اور افعال کو مسلسل اور مربوط بنانے کی کوشش کرتے ہیں، اور اس کے علل واسباب کو بھی جاننا چاہتے ہیں، اصحابِ حدیث کہتے ہیں کہ اس کی ضرورت نہیں ہے، جب صحت کے ساتھ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ قول یا فعل رسول اللہ ﷺ کا ہے تو وہ رسول اللہ کی سنت اور آپ کا طریقہ ہوگیا، گو یہ معلوم نہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے کب، کس دن، کس تاریخ ایسا کہا، یا کیا تھا۔

اس فرق کی وجہ سے اصحابِ سیرت اور اصحابِ حدیث کی دو جماعتیں الگ الگ بن گئیں، اور معیارِ تحقیق بھی دونوں کا جدا ہوگیا، محدثین رواۃ کی ثقاہت، تقوے اور دیانت کی کمی زیادتی کی بنا پر مقبول رواۃ کی روایتوں میں اختلاف کے وقت ترجیح دیتے ہیں، اور اصحابِ سیرت حالات کی موافقت اور واقعات کے علم کی بنا پر ترجیح دیتے ہیں۔ (۳۵)

مندرجہ بالا اقتباس سے معلوم ہوا:

۱۔ اصحابِ حدیث اور اصحابِ سیرت کے بنیادی کاموں میں کوئی فرق نہیں ہے، دونوں کی بحث حضورِ اکرم ﷺ کے اقوال، افعال اور تقاریر و تائیدات سے ہوتی ہے، البتہ مقصودِ نظر کا اختلاف ضرور ہوتا ہے۔

۲۔ اصحابِ سیرت حضور ﷺ کے اقوال و افعال میں ربط، اور ان کے اسباب و علل کے معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۳۔ اسی بنا پر اصحابِ سیرت اور اصحابِ حدیث دو الگ الگ جماعتیں ہیں، اور ان کا معیارِ تحقیق بھی جدا ہے۔

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے، تو وہ بجا ہے کہ اصحابِ حدیث اور اصحابِ سیرت کے مابین کوئی حقیقی و بنیادی فرق نہیں، البتہ مقصودِ نظر کا جو اختلاف ہے، وہ دراصل اختلافِ اسلوب و منہج ہی ہے، یہ ایک اعتباری سا فرق ہے، کوئی ایسا فرق نہیں جس کی بنا پر حدیث اور سیرت کو بالکل الگ شمار کیا جائے، مثلاً کتبِ حدیث میں صحیح اور سنن نامی دو اسلوب ہیں، پہلے اسلوب کے حامل محدثین کا مقصود کڑی شرائط پر پورا اترنے والی احادیث کو جمع کرنا ہے، قطع نظر اس سے کہ فقہائے امت نے ان سے استدلال و استنباط کیا یا نہیں، جب کہ دوسرے اسلوب کے حامل حضرات کا مقصود ان احادیث کو جمع کرنا ہے جو فقہائے امت کے ہاں دلیل کی حیثیت رکھتی ہیں، اور معمول بہا ہیں، اگرچہ وہ صحت کی کڑی شرائط پر پورا نہ اتریں۔ (۳۶) لہٰذا اگر اسلوب اور مقصودِ نظر کے اس اختلاف کی بنا پر اُن کے لئے اصحابِ صحاح اور اِن کے لئے اصحابِ سنن کے الفاظ استعمال کئے جائیں، اور ان کے درمیان یہ اعتباری سا فرق کیا جائے، تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان میں سے کوئی ایک حدیث ہی کی صنف نہیں رہی۔

اسی طرح عام طور پر محدثین کرام اپنی کتبِ متونِ حدیث میں مختلف طریقوں سے ذخیرۂ حدیث کو جمع کرتے ہیں، اس سے قطعِ نظر کہ روز مرہ زندگی میں ان پر عمل ہوسکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ کتبِ عمل الیوم واللیلۃ کا مقصود ان احادیث کو فراہم کرنا ہے جن پر روز مرہ زندگی میں عمل کیا جائے، کیا اس اختلافِ مقصود کی بنا پر کتبِ عمل الیوم واللیلۃ کو کتبِ حدیث سے خارج کیا جاسکتا ہے؟ معلوم ہوا کہ مقصودِ نظر کے متذکرہ بالا اختلاف کی بنا پر اصحابِ حدیث اور اصحابِ سیر، کتبِ حدیث اور کتبِ سیرت کے مابین کوئی حقیقی تفریق قائم نہیں کی جاسکتی، یہی وجہ ہے کہ موصوف کسی حد تک یہ تفریق روا رکھنے کے بعد خود ہی اگلے ہی صفحے میں یہ تحریر فرماتے ہیں:

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اصحابِ سیر اور اصحابِ حدیث واقعی دو جماعت نہیں ہیں، جتنے اصحابِ سیر ہیں وہ اصحابِ حدیث بھی ہیں، اور جتنے اصحابِ حدیث ہیں وہ اصحابِ سیر بھی، مگر سیرت پر جب ان کو واقعات جمع کرنے پڑتے ہیں، اور سیرت کے مقاصد کو پورا کرنا ہوتا ہے، تو اس کے شرائط اور وجوہِ ترجیح میں مناسب تبدیلی کرنی پڑتی ہے، اصل یہ ہے کہ ہر زمانے میں بڑے بڑے اصحابِ تقویٰ و دیانت ان امور کی طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں جس کا اصحابِ سیرت کو بیان کرنا ضرور ہے، اور جس کو اصحابِ حدیث نے بھی ناسخ و منسوخ سمجھنے کے لئے، احکام کی ترتیب کو جاننے کے لئے اور بہت سے احادیث کا صحیح مطلب سمجھنے کے لئے ضروری سمجھا ہے، اس لئے اصحابِ سیرت کو ایسے معلومات کا اخذ کرنا ضرور ہوگیا گو وہ ایسے لوگوں سے ملے جو ثقاہت اور تدین میں بہت اعلیٰ پائے کے نہ ہوں، مگر معتبر ہوں، اور ان پر شدید جرح نہ ہوئی ہو۔ (۳۷)

اور جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے، تو اس میں شبہ نہیں کہ بیشتر متاخرین اربابِ سیر واقعات کو مربوط بنانے اور ان کے اسباب و علل کے بیان کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، تاہم یہ سیرت نگاری کا کوئی ایسا جزوِ لازم نہیں کہ اس کے نہ ہونے سے کسی کتاب کو کتبِ سیرت سے خارج سمجھا جائے، بل کہ متقدمین کی کتبِ سیرت میں تو اکثر و بیشتر اس کا التزام بھی نہیں، اسی طرح امہات کتبِ حدیث میں جو ابوابِ سیرت ہوتے ہیں ان میں عموماً نہ تو واقعات کو مربوط بنانے کی کوشش ہوتی ہے، نہ ہی ان کے اسباب و علل کے بیان کرنے کا اہتمام ہوتا ہے، اس کے باوجود وہ سیرت کے ابواب ہی کہلاتے ہیں، اب اگر کوئی صاحبِ ذوق ان ہی کتبِ حدیث کے ابوابِ سیرت کی احادیث کو بہ طورِ سیرت مرتب کرنا چاہے، تو کیا اسے سیرت نہیں کہیں گے؟

نیز اگر بیانِ ربط اور علل و اسباب کو سیرت نگاری کا جزوِ لازم تسلیم کر بھی لیا جائے، تو بھی اسے حدیث اور سیرت کے درمیان فارق قرار نہیں دیا جاسکتا، کیوں کہ ایسا ہی کام تو شارحینِ حدیث بھی کرتے ہیں، اور اصحابِ حدیث بھی ناسخ و منسوخ اور احکام کی ترتیب جاننے کے لئے کرتے ہیں، جیسا کہ درج بالا اقتباس میں مذکور ہے، اور موصوف ہی کے درجِ ذیل بیان سے بھی جھلکتا ہے:

متاخرین یہ کرتے ہیں کہ پہلے موسیٰ بن عقبہ، محمد بن اسحاق یا ابن سعد میں سے جس کی جس کی روایت ملے اس کو لکھتے ہیں، پھر ان کی تائید یا مخالفت میں دوسرے اصحابِ سیرت میں سے کسی کی روایت ہو تو لکھتے ہیں، اس کے بعد اگر اس روایت کے متعلق ائمۂ حدیث میں

سے کسی کی تنقید یا توثیق ہو تو اس کو درج کرتے ہیں، اور پھر اس کے موافق یا مخالف حدیث کی روایتیں ہوں تو اس کو لکھتے ہیں، پھر رجال واسناد کی امداد سے کسی روایت کو راجح کسی کو مرجوح قرار دیتے ہیں، شرّاحِ حدیث بھی یہ ہی کرتے ہیں، اور فی الواقع دونوں کا کام ایک ہی ہوتا ہے، صرف ترتیب کا فرق ہوتا ہے، حدیث کی کتابیں فقہی ابواب پر تقسیم ہوتی ہیں، اور سیرت کی کتابوں کی سنین پر واقعات کی ترتیب ہوتی ہے۔(۳۸)

اس بیان کے پیشِ نظر کسی قدر وسعت سے کام لیتے ہوئے یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ متاخرین کی کتبِ سیرت، متقدمین کے سیر ومغازی سے متعلق ذخیرۂ حدیث کی شرح کا درجہ رکھتی ہیں، تاہم اس سے حدیث اور سیرت کے درمیان کوئی تفریق ثابت نہیں ہوتی۔

اور جہاں تک تیسری بات کا تعلق ہے، کہ اصحابِ سیرت کا معیارِ نقد اصحابِ حدیث سے فروتر ہے، تو اس سے متعلق ایک بات تو یہ قابلِ غور ہے کہ جب موصوف اصحابِ حدیث واصحابِ سیرت کو ایک ہی جماعت مانتے ہیں، تو اصحابِ حدیث کے مقابلے میں اصحابِ سیرت کے معیار کے فروتر ہونے کا شکوہ بے جا معلوم ہوتا ہے، مزید برآں معیارِ نقد ونظر کے فروتر ہونے کا الزام اربابِ سیرت کو دینا بھی درست نہیں، کیوں کہ یہ معیار ان کا خانہ ساز نہیں ہے، بل کہ نقدِ حدیث کی جس ٹکسال سے احکام وشرائع سے متعلق احادیث کی جانچ پرکھ کے معاییر کا اجرا ہوا، سیرت سے متعلقہ معاییر بھی اسی کے جاری کردہ ہیں، آئندہ سطور میں اس سے متعلق تفصیلی بحث آرہی ہے۔

بہ ہر حال مولانا حکیم دانا پوریؒ کے متذکرہ بالا تمام بیانات سامنے رکھنے سے مجموعی نتیجہ یہ ہی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ موصوف بھی حدیث اور سیرت کے مابین کسی حقیقی تفریق کے قائل نہیں ہیں۔

حدیث اور سیرت کے مابین تفریق، علامہ شبلی نعمانی کا نقطۂ نظر

سابقہ آرا کے برعکس علامہ شبلی نعمانیؒ (متوفی ۱۳۳۲ھ) کی رائے میں سیرت، فنِ حدیث سے الگ چیز ہے، اور ان دونوں کو ایک شے سمجھنا قلتِ علم اور فن سے ناآشنائی کی بنا پر ہے، موصوف نے اپنے اس نقطۂ نظر پر کچھ شواہد بھی پیش کئے ہیں، چناں چہ مقدمۂ سیرت النبی میں تحریر فرماتے ہیں:

اس موقع پر ایک نہایت ضروری بحث طے کر دینے کے لائق ہے جو آج کل کی قلتِ علم اور ناآشنائی فن نے پیدا کر دی ہے، بہت سے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ سیرت فنِ حدیث ہی کی ایک خاص قسم کا نام ہے، یعنی احادیث میں سے وہ واقعات الگ لکھ دیئے گئے جو

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات سے متعلق ہیں، تو یہ سیرت بن گئی، اور چوں کہ حدیث میں متعدد کتابیں ایسی موجود ہیں، جن میں ایک حدیث بھی ضعیف نہیں، مثلاً صحیح بخاری ومسلم، تو یہ کہنا کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے کہ سیرت میں کوئی کتاب آج تک صحت کے التزام کے ساتھ نہیں لکھی گئی۔ اس بحث کے ذہن نشین کرنے کے لئے امورِ ذیل پیشِ نظر رکھنے چاہئیں:

ا۔ پہلی بحث یہ ہے کہ سیرت کا اطلاق کس چیز پر ہوتا ہے، محدثین اور اربابِ رجال کی اصطلاحِ قدیم یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص غزوات کو مغازی اور سیرت کہتے تھے، چناں چہ ابنِ اسحاق کی کتاب کو مغازی بھی کہتے ہیں، اور سیرت بھی.....فقہ کی بھی یہی اصطلاح ہے، فقہ میں جو باب کتاب الجہاد والسیر باندھتے ہیں، اس میں سیرت کے لفظ سے غزوات اور جہاد کے احکام مراد ہوتے ہیں۔

کئی صدی تک یہی طریقہ چلتا رہا، چناں چہ تیسری صدی تک جو کتابیں سیرت کے نام سے مشہور ہیں مثلاً سیرت ابن ہشام، سیرت ابن عائذ، سیرت اموی وغیرہ، ان میں زیادہ تر غزوات ہی کے حالات ہیں، البتہ زمانہ مابعد میں مغازی کے سوااور چیزیں بھی داخل کر لی گئیں، مثلاً مواہبِ لدنیہ میں غزوات کے علاوہ سب کچھ ہے۔

اس بنا پر محدثین کی اصطلاح میں مغازی وسیرت عام فنِ حدیث سے ایک الگ چیز ہے، یہاں تک کہ بعض موقعوں پر اربابِ سیر اور محدثین، دو مقابل گروہ سمجھے جاتے ہیں، بعض واقعات کے متعلق یہ صورت پیدا ہوتی ہے کہ تمام اربابِ سیر ایک طرف ہوتے ہیں، اور امامِ بخاری ومسلم (ایک طرف)، ایسے موقع پر بعض لوگ امام بخاری کی روایت کو اس بنا پر تسلیم نہیں کرتے کہ تمام اربابِ سیر کے خلاف ہے، لیکن محققین کہتے ہیں کہ حدیثِ صحیح تمام اربابِ سیر کی متفقہ روایت کے مقابلے میں بھی قابلِ ترجیح ہے۔

اس تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ سیرت ایک جداگانہ فن ہے، اور بعینہ فنِ حدیث نہیں ہے، اور اس بنا پر اس کی روایتوں میں اس درجہ شدتِ احتیاط ملحوظ نہیں رکھی جاتی جو فنِ صحاحِ ستہ کے ساتھ مخصوص ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ فقہ قرآن وحدیث ہی سے ماخوذ ہے، لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ بعینہ قرآن یا حدیث ہے، یا ان دونوں کے ہم پلّہ ہے۔

۲۔ مغازی اور سیرت میں جس قسم کی جزئی تفصیلیں مقصود ہوتی ہیں، وہ فنِ حدیث کے

اصلی بلند معیار کے موافق نہیں مل سکتیں، اس لئے ارباب سیر کو تنقید اور تحقیق کا معیار کم کرنا پڑتا ہے، اس بنا پر سیرت ومغازی کا رتبہ فنِ حدیث سے کم رہا۔

۴۔ جس طرح امام بخاری ومسلم نے یہ التزام کیا کہ کوئی ضعیف حدیث بھی اپنی کتاب میں درج نہ کریں گے، اس طرح سیرت کی تصنیفات میں کسی نے یہ التزام نہیں کیا، آج بیسیوں کتابیں قدما سے لے کر متاخرین تک موجود ہیں، مثلاً سیرت ابن اسحاق، سیرت ابنِ ہشام، سیرت ابن سید الناس، سیرتِ دمیاطی، حلبی، مواہبِ لدنیہ، کسی میں یہ التزام نہیں۔

تفصیلِ مذکورہ بالا سے ظاہر ہوگیا کہ ہماری اس عبارت کا کہ سیرت میں آج تک کوئی کتاب صحت کے التزام کے ساتھ نہیں لکھی گئی، اس کا کیا مطلب ہے، اور کہاں تک صحیح ہے۔(۳۹)

مذکورہ بالا اقتباس میں آپ نے علامہ شبلی نعمانیؒ کا موقف ان کے تمام شواہد کے ساتھ ملاحظہ فرمالیا، آیئے اب اس موقف پر تحلیلی وتجزیاتی نظر ڈالتے ہیں:

موصوف نے پہلے تو یہ دعویٰ کیا کہ ''آج تک سیرت کی کوئی کتاب صحت کے التزام کے ساتھ نہیں لکھی گئی''، پھر اس دعوی کی راہ ہموار کرنے کے لئے یہ بحث اٹھائی کہ حدیث اور سیرت کے مابین فرق ہے، اور چند دلائل بھی پیش فرمائے ہیں، یہ دعویٰ، اور اس کے اثبات کے لئے اٹھائی گئی بحث دونوں ہی محلِ نظر ہیں، تاہم یہاں چوں کہ حدیث اور سیرت کے باہم فرق کی بات چل رہی ہے، اس لئے پہلے ان شواہد کا جائزہ لیتے ہیں جو موصوف نے حدیث اور سیرت میں فرق ثابت کرنے کے لئے پیش کئے ہیں کہ

۱۔ آپ نے حدیث اور سیرت کے مابین فرق ثابت کرنے کے لئے پہلی بحث یہ اٹھائی ہے:

محدثین اور ارباب رجال کی اصطلاحِ قدیم یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ کے خاص غزوات کو مغازی اور سیرت کہتے ہیں، تیسری صدی تک جو کتابیں سیرت کے نام سے مشہور ہیں، ان میں زیادہ تر غزوات ہی کے حالات ہیں، البتہ زمانہ مابعد میں، مغازی کے سوا اور چیزیں بھی داخل کرلی گئیں، اس بنا پر محدثین کی اصطلاح میں مغازی اور سیرت عام فنِ حدیث سے ایک الگ چیز ہے۔

اس عبارت میں ایک مرتبہ پھر غور فرمایئے! کیا اتنی سی بات کہ تیسری صدی تک کتب مغازی وسیر میں سیرت کے نام پر صرف غزوات کا بیان ہوتا رہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے دیگر پہلوؤں سے گفت گو نہیں رہی، حدیث اور سیرت کے مابین کوئی حقیقی تفریق ثابت کرسکتی ہے؟ کیا مغازی کے

ابواب، حدیث کا حصہ نہیں ہیں؟ امامِ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صحیح میں کتاب المغازی کے عنوان کے تحت جو مواد جمع کیا ہے، وہ بلاشبہ حدیث ہے، لیکن اگر امام بخاری رحمہ اللہ کی اسی کتاب المغازی کو جامع صحیح سے الگ کردیا جائے تو غزوات کے بیان پر مشتمل ہونے کی بنا پر اس کو مغازی نہیں کہا جاسکے گا؟ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے اہم پہلو پر مشتمل ہونے کی بنا پر اسے سیرت کہنا غلط ہوگا؟

۲۔ مزید تحریر فرماتے ہیں کہ یہاں تک کہ بعض موقعوں پر اربابِ سیر اور محدثین، دو مقابل کے گروہ سمجھے جاتے ہیں، بعض واقعات کے متعلق یہ صورت پیدا ہوتی ہے کہ تمام اربابِ سیرت ایک طرف ہوتے ہیں، اور امام بخاری ومسلم ایک طرف، ایسے موقع پر بعض لوگ امامِ بخاری کی روایت کو اس بنا پر تسلیم نہیں کرتے کہ تمام اربابِ سیر کے خلاف ہے، لیکن محققین کہتے ہیں کہ حدیثِ صحیح تمام اربابِ سیر کی متفقہ روایت کے مقابلہ میں بھی قابلِ ترجیح ہے، ہم اس موقع پر ایک، دو واقعے مثال کے طور پر لکھتے ہیں۔

اربابِ سیر اور اصحابِ حدیث کس حد تک الگ الگ گروہ ہیں اور کس حد تک ایک ہی جماعت؟ اس پر تفصیل سے بات ہوچکی ہے، اس کا اعادہ کئے بغیر اگلے نکتے کی طرف منتقل ہوجاتے ہیں کہ جناب نے اربابِ سیر اور محدثین کے مابین روایات کی تصحیح وتضعیف اور ترجیح وعدمِ ترجیح کے اختلاف کو ان کے درمیان تفریق کا قرینہ قرار دیا ہے، حال آں کہ یہ بات سراسر ناقابلِ قبول ہے، کیوں کہ ایسا اختلاف تو محدثین کرام کے مابین بھی بکثرت رہتا ہے، بل کہ خود امامِ بخاری رحمہ اللہ (متوفی ۲۵۶ھ) اور امامِ مسلم رحمہ اللہ (متوفی ۲۶۱ھ) کے مابین بھی ہے، کہ ایک حدیث کی صحت پر امام مسلم رحمہ اللہ اور دیگر بیشتر محدثین متفق ہیں، لیکن امامِ بخاری رحمہ اللہ اسے اپنی جامع صحیح میں اسے جگہ دینے کو تیار نہیں، کیا حدیثِ معنعن میں امکانِ لقا اور ثبوتِ سماع کی شرط میں امامِ بخاری اور امامِ مسلم رحمہ اللہ کا اختلاف کوئی ڈھکی چھپی بات ہے؟ صحیح مسلم میں کتنی احادیث ایسی ہیں جن کو امامِ مسلم نے اس شرط کے عدمِ لحاظ کی بنا پر صحیح کا درجہ دیا، جب کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کو نہ صحیح کا درجہ دیا اور نہ ہی جامع صحیح میں درج کیا؟ (۴۰) تو کیا اس اختلاف کی بنا پر ان ہیں الگ الگ گروہ قرار دیا جائے گا؟

مزید یہ کہ اس موقع پر جناب کے پیشِ نظر صرف وہ مثالیں ہیں، جن میں اربابِ سیر کی روایات کو صحیحین کی روایات کے پیشِ نظر مرجوح قرار دیا گیا، لیکن وہ مثالیں پیشِ نظر نہیں جہاں اربابِ سیر کی روایات کے مقابلے میں صحیحین تک کی روایات کے مرجوح ہونے کی اربابِ سیر نے نہیں، خود محدثین نے تصریح کی ہے، چناں چہ مولانا حکیم عبدالرؤف دانا پوری رقم طراز ہیں:

اصحابِ سیرت جو باتیں بتاتے ہیں وہ تاریخ وار مسلسل اور مربوط ہوتی ہیں، احادیثِ صحیحہ

کے تمام واقعات بھی سیرت کی اس توضیح کی وجہ سے اپنی اپنی جگہ نمایاں نظر آتے ہیں، محدثین اپنے اسانیدِ عالیہ کے باوجود واقعات کو سمجھنے کے لئے اصحابِ سیرت کے محتاج ہوتے ہیں، بل کہ بعض جگہ اپنے نقص کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

صحیح مسلم کی روایت ہے جس کی سند عالی ہونے میں شبہ نہیں کہ ابو سفیان نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میں ام حبیبہ کو آپ کے عقد میں دیتا ہوں، اور آپ نے قبول کیا، اصحابِ سیرت کہتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے، باتفاقِ اہلِ سیرت امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا کا عقد حبشہ میں ہوا، اور اس وقت ہوا جب ابوسفیان کافر اور محارب تھا، جمہور محدثین تسلیم کرتے ہیں کہ صحیح مسلم کی یہ روایت قابلِ قبول نہیں ہے۔

بخاری کی روایت ہے کہ افکِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضور ﷺ نے مسجد میں فرمایا کہ کون ہے جو اِن منافقوں کے مقابلے میں مستعد ہو؟، حضرت سعد بن معاذ کھڑے ہوئے، اور عرض کیا کہ میں مستعد ہوں یا رسول اللہ! اصحابِ سیرت کہتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے، اصحابِ سیرت متفق ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا غزوۂ احزاب کے بعد بنی قریظہ کا فیصلہ کر کے انتقال ہو گیا، اور صحیح یہ ہے کہ غزوۂ مریسیع جس میں افک کا قصہ ہوا، وہ اس کے بعد ہوا، اس لئے حضرت سعد تو افک کے وقت تھے ہی نہیں، اکثر محدثین تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا نام اس روایت میں رواۃ کا تسامح ہے۔
(۴۱)

اس سے معلوم ہوا کہ محققین کا یہ کہنا کہ حدیثِ صحیح تمام اربابِ سیر کی متفقہ روایت کے مقابلے میں بھی قابلِ ترجیح ہے اس اطلاق کے ساتھ خود محدثین کے ہاں بھی قابلِ قبول نہیں، نیز یہ بات اگر درست بھی ہو تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اربابِ سیر کی متفقہ روایت صرف اس وجہ سے قابلِ رد ہے کہ وہ اصحابِ سیر ہیں اصحابِ حدیث نہیں، بل کہ سندِ روایت کے درجۂ صحت پر فائز ہونے کی بنا پر ہے، چناں چہ اگر اسی درجے یا اس سے اعلیٰ درجے کی صحیح سند اربابِ سیر کی کتب میں پائی جائے تو محققین کے ہاں اس کا بھی وہی درجہ ہوگا جو محدثین کی کتب میں پائی جانے والی صحیح حدیث کا ہے، بل کہ اگر ایسی صورتِ حال پیدا ہو جائے کہ ایک جانب کتبِ حدیث سے منقول صحیح لغیرہ کے درجے کی حدیث ہو اور دوسری جانب ایسی حدیث ہو جو کتبِ سیرت میں مروی ہے، لیکن اس کے تمام راوی صحیحین کے رجال میں سے ہیں، تو اہلِ خبر سے مخفی نہیں کہ لامحالہ اس روایتِ سیرت ہی کو ترجیح دی جائے گی۔ (۴۲)

سابقہ بیان کی دو مثالیں تحریر کرنے بعد رقم طراز ہیں:

اس تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ سیرت ایک جداگانہ فن ہے، اور بعینہ فنِ حدیث نہیں ہے، اور اس بنا پر روایتوں میں اس درجہ شدت احتیاط ملحوظ نہیں رکھی جاتی جو فنِ صحاح ستہ کے ساتھ مخصوص ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ فقہ کا فن قرآن اور حدیث ہی سے ماخوذ ہے، لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ بعینہ قرآن یا حدیث ہے، یا ان دونوں کے ہم پلہ ہے۔

عرض یہ ہے کہ سیرت کو بعینہ فنِ حدیث نہیں، بل کہ حدیث کی ایک ذیلی شاخ اور فرع کہتے ہیں جو بڑھتے بڑھتے بہ جائے خود ایک درخت کی شکل اختیار کرگئی ہے، اور اس سے مزید کئی شاخیں پھوٹ نکلی ہیں، جن میں سے ہر شاخ اپنی جگہ ثمر بار بھی ہے، تاہم اس کی جڑ، حدیث کے شجرۂ طیبہ سے وابستہ ہے۔

رہی یہ بات کہ سیرت کی روایتوں میں اس درجہ شدتِ احتیاط ملحوظ نہیں رکھی گئی جو فنِ صحاح ستہ کے ساتھ مخصوص ہے تو یہ بھی بڑی تعجب خیز بات ہے، لہٰذا پہلے تو یہ بات قابلِ غور ہے کہ فنِ صحاح ستہ بھی کوئی باقاعدہ فن ہے؟ پھر یہ کہ صحیحین کے علاوہ بقیہ چار کتبِ صحاح جو دراصل کتبِ سنن ہیں، ان میں وہ کون سی غیر معمولی شدتِ احتیاط ملحوظ رکھی گئی ہے جو ان کے علاوہ کسی کتاب میں نہیں؟ باخبر اہلِ علم سے ہرگز پوشیدہ نہیں ہے کہ کتبِ حدیث میں کتنی ہی کتابیں ایسی ہیں جو شدتِ احتیاط پر مبنی شرائط کے لحاظ سے ان صحاحِ اربعہ یا بالفاظِ دیگر ان سننِ اربعہ سے برتر ہیں، (۴۳) بس شہرت اور تداول کی وجہ سے متاخرین نے ان چاروں کو بھی صحیحین کے ساتھ ملا کر تغلیباً صحاحِ ستہ کہنا شروع کردیا گیا (۴۴) اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ یہ چھ کتابیں بہ ذاتِ خود کوئی فن ہیں، یا ان میں سے ہر ایک کی شرائطِ حدیث ایسی ہیں کہ جن کی نظیر دیگر کتبِ حدیث میں ملنا مشکل ہے۔

مزید برآں یہ بات بھی خوب ہے کہ جس طرح قرآن وحدیث سے ماخوذ ہونے کے باوجود فقہ کو بعینہ قرآن وحدیث یا اس کے ہم پلہ کہنا درست نہیں اسی طرح سیرت کو بھی حدیث کا حصہ کہنا درست نہیں، اس پر کسی قسم کا تبصرہ کرنے کی جرات کئے بغیر ہم یہاں صرف یہ سوال اُٹھانا چاہیں گے کہ کبھی کسی نے کتبِ فقہ کی عبارات کے حق میں آیات یا احادیث کے الفاظ استعمال کئے ہیں؟ ان کے لئے متواتر، مشہور یا کم از کم خبرِ واحد کے درجے کی سند کو لازم قرار دیا ہے؟ ان میں اصولِ ترتیل یا اصولِ حدیث کو جاری کیا ہے؟ ان کو جانچنے کے لئے اصولِ روایت ودرایت کی بحثیں چھیڑی ہیں؟ ان کے بارے میں صحیح، حسن، مرسل ومنقطع جیسی اصطلاحات استعمال کی ہیں؟ لیکن روایاتِ سیرت کے ساتھ یہ سب کچھ، نہ صرف یہ کہ متقدمین کے زمانے سے چلا آرہا ہے، بل کہ آں جناب نے بھی اپنی سیرت میں دل کھول کر روا رکھا ہے، تو

آپ ہی فرمایئے کہ سیرت کو فقہ پر قیاس کر کے اسے حدیث سے علیحدہ ثابت کرنا کیوں کر درست ہو سکتا ہے؟

۴۔ مزید تحریر فرماتے ہیں:

مغازی اور سیرت میں جس قسم کی جزئی تفصیلیں مقصود ہوتی ہیں، وہ فنِ حدیث کے اصلی بلند معیار کے موافق نہیں مل سکتیں، اس لئے اربابِ سیر کو تنقید وتحقیق کا معیار کم کرنا پڑتا ہے، اس بنا پر سیرت ومغازی کا رتبہ فنِ حدیث سے کم رہا۔

اس میں یہ بات تو بے جا ہے کہ سیرت سے متعلق ہر ہر جزئی تفصیل کا کڑی شرائط پر پورا اترنا ممکن نہیں، تاہم اس بنا پر تنقید وتحقیق کے معیار میں کمی اربابِ سیر نے اپنے صواب دیدی اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے کی ہے، یا اس کا راستہ بھی ان ہیں محدثین نے ہی دکھایا ہے؟ یہ بحث ان شاء اللہ مستقل عنوان کے تحت آرہی ہے۔

ہاں! فرقِ مراتب سے ہمیں انکار نہیں، کہ وہ روایاتِ سیرت جو صحتِ حدیث کے معیار پر پوری نہیں اترتیں ان کا وہ مرتبہ ہرگز نہیں جو معیارِ صحت پر فائز احادیث کا ہے، تاہم سوال یہ ہے کہ یہ فرقِ مراتب تو خود صحاحِ ستہ کی احادیث کے درمیان بھی ہے کہ کچھ ان میں سے درجۂ تواتر میں ہیں، تو کچھ درجۂ شہرت میں، کچھ نے غریب ہونے کے باوجود صحیح کا درجہ پالیا ہے، کچھ حسن اور کچھ ضعیف بھی ہیں، ان ہی میں کچھ نہ کچھ مواد ایسا بھی ہے جس پر بعض ناقدین کو وضع تک کا گمان ہے۔ (۴۵) نیز خود صحیح میں بھی لذاتہ اور لغیرہ کی بنا پر فرقِ مراتب ہے، اسی طرح حسن لذاتہ اور حسن لغیرہ کا فرق بھی ہے، چناں چہ کچھ ضعیف احادیث ایسی بھی ہیں جو کثرتِ طرق وشواہد کی بنا پر صالح کی سند پاکر انِ ہی صحیح وحسن احادیث کا پڑوس حاصل کر چکی ہیں۔ محدثین کرام تو ایک طرف محققین اربابِ سیر کو بھی ہمیشہ ان مراتب کے مابین فرق کا پاس رہا ہے، وہ بھی فروتر درجے کی روایت کو برتر درجے کی حامل حدیث کے ہم پلہ قرار نہیں دیتے۔ (۴۶) تاہم اس فرقِ مراتب کی بنا پر وہ فروتر درجہ والی روایات کو حدیث ہونے سے خارج بھی نہیں کرتے۔

مذکورہ بالا تجزیے کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ علامہ شبلی نعمانی کا یہ بیان، حدیث اور سیرت کے درمیان حقیقی تفریق کے اثبات کے لئے ناکافی ہے۔

سابقہ کتبِ سیرت اور التزامِ صحت

اس بحث کے آخر میں علامہ شبلی نعمانی نے ایک بار پھر اپنے اس دعوے کو دہرایا ہے:

جس طرح امام بخاری ومسلم نے یہ التزام کیا کہ کوئی ضعیف حدیث بھی اپنی کتاب میں درج نہ کریں گے، اس طرح سیرت کی تصنیفات میں کسی نے یہ التزام نہیں کیا۔

پہلی بات تو یہ کہ ہر ہر چیز میں صحیحین جیسے معیارِ صحت کا مطالبہ ہی درست نہیں، کیوں کہ یہ معیار تو اس ذخیرۂ حدیث میں بھی نہیں ہوسکتا جو اوامر ونواہی اور احکام وشرائع سے متعلق ہے، جس کے حدیث ہونے کے آپ بھی قائل ہیں، حتی کہ سننِ اربعہ میں بھی یہ معیار برقرار نہیں رکھا جا سکا۔ (۴۷)، تو ذخیرۂ سیرت کی ہر ہر جزئی کے لئے اس درجہ کے معیارِ صحت اور اس کے التزام کا مطالبہ کیسے درست ہوسکتا ہے؟ بل کہ روایاتِ سیرت کے قابلِ قبول ہونے کے لئے اتنی بات ہی کافی ہے کہ وہ سیر ومغازی کے لئے محدثین کے بنائے ہوئے روایت ودرایت کے اصولوں کے پر پورا اترے۔ (۴۸) یہی وجہ ہے کہ خود علامہ شبلی نعمانی بھی سیرت کے سارے مواد کو صحیحین کے معیار کے مطابق درج نہیں کر سکے (۴۹) تو کسی دوسرے سے یہ مطالبہ کس بنا پر ہوسکتا ہے؟

جب کہ یہ دعویٰ بھی حق بہ جانب نہیں کہ آج تک صحت کے التزام کے ساتھ سیرت کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی، حال آں کہ جناب مغازیٔ موسیٰ بن عقبہ سے ہرگز ناواقف نہیں۔ (۵۰) جو نہ صرف بعد کی تمام معتبر کتبِ سیرت کا بنیادی ماخذ ہے، بل کہ اس معیار پر بھی پوری اترتی ہے جس کا آں جناب نے ذکر کیا ہے، اسے اصح المغازی کی باقاعدہ اور مصدقہ سند ملی ہے، چناں چہ امام مالک رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۹ھ) فرماتے تھے:

علیك بمغازی الرجل الصالح موسی بن عقبة فإنها اصح المغازی

اور امام شافعی رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۴ھ) فرماتے تھے:

لیس فی المغازی اصح من کتابه مع صغره وخلوه من اکثر ما یذکر فی کتب غیره

اور امام یحیٰ بن معین (متوفی ۲۳۳ھ) فرمایا کرتے تھے:

کتاب موسی بن عقبة عن الزهری من اصح هذه الکتب (۵۱)

یہ سند بھی کسی ایک شخص کی عطا کردہ نہیں ہے کہ اسے کسی کا شخصی خیال قرار دیا جائے، بل کہ تین تین جلیل القدر ائمۂ حدیث وفقہ یعنی امام مالک، امام شافعی اور امام یحیی بن معین کی جاری کردہ ہے۔ (۵۲) پھر آج تک محدثین کرام اس سند پر اپنے تصدیقی وتائیدی دستخط ثبت کرتے چلے آئے ہیں، حتیٰ کہ امام

بخاری رحمہ اللہ نے بھی جامع صحیح میں اس پر اعتماد اور اس سے استفادہ کیا ہے۔ (۵۳) بل کہ لطف کی بات یہ ہے کہ صحیح بخاری کو جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کی سند ملی وہ بھی اس سندِ اصح المغازی کے بعد کی ہے، گویا یہ اصحیت اور اس کے مراتب کا لحاظ تو دیگر اصنافِ حدیث سے پہلے ہی سیرت میں ہو چکا تھا۔

علاوہ ازیں اس بارے میں علامہ شبلی نعمانی کی باتوں میں تضاد بھی ہے، چناں چہ آپ اسی مقدمے میں کچھ آگے چل کر قدیم سیرت نگاروں کی فہرست میں امام ترمذی (متوفی ۲۷۹ھ) کی کتاب الشمائل کو کتبِ سیرت میں اور اسی کی یہ دولت امام ترمذیؒ کو سیرت نگاروں میں شمار کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> محمد بن عیسیٰ ترمذی مشہور محدث ہیں، سیرتِ نبوی میں ان کا خاص رسالہ ہے، جس کا موضوع گذشتہ تصانیف سے الگ ہے، اس رسالہ کا نام کتاب الشمائل ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی حالات وعادات واخلاق کا ذکر ہے، اس بات کا التزام کیا ہے کہ تمام روایتیں معتبر اور صحیح ہوں۔ (۵۴)

غور فرمایئے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ کی کتاب شمائل جو خالص حدیث کی کتاب ہے، اور اس میں کتبِ سیرت کی ان خصوصیات میں سے کوئی ایک بھی نہیں پائی جاتی جس کی بنا پر ماقبل میں حدیث اور سیرت کے مابین فرق کیا جا رہا تھا، لیکن اس کے باوجود موصوف نے نہ صرف یہ کہ شمائل کو سیرتِ نبوی کا ایک خاص رسالہ قرار دیا، بل کہ یہ بھی اعتراف کر لیا کہ اس میں صحیح اور معتبر روایتوں کے درج کرنے کا التزام بھی ہے:

کیا احادیثِ احکام اور روایاتِ سیرت ہم پلّہ ہیں؟

اتنی بات تو مسلّم ہے کہ مختلف اقسام کی احادیث کے مابین فرقِ مراتب ہے، اور علی الاطلاق روایاتِ سیرت کو احادیثِ احکام کے ہم پلّہ نہیں کہا جا سکتا، نیز مجموعی حیثیت سے احادیثِ احکام کو روایاتِ سیرت پر فوقیت دینا بھی اس لحاظ سے درست ہے کہ احادیثِ احکام میں ناقدینِ حدیث نے کڑی شرائط کے تحت نقد ونظر کا اچھا خاصا کام کیا ہے، چوں کہ نقد ونظر کے بغیر استنباطِ احکام ممکن ہی نہ تھا، اس لئے ان میں نقد ونظر کے سوا کوئی چارۂ کار بھی نہ تھا، جب کہ بیشتر روایاتِ سیرت سے استنباطِ احکام کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی، اس لئے اس باب میں اس حد تک نقد ونظر کا کام بھی نہ ہو سکا، تاہم اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ یہ حدیث کی اقسام سے ہی خارج ہیں۔

اسی طرح احادیثِ احکام کے برتر اور روایاتِ سیرت کے فروتر ہونے کے معنی یہ نہیں کہ احادیثِ

احکام میں سے ہر ہر حدیث، روایاتِ سیرت میں سے ہر ہر روایت کے مقابلے میں برتر ہے، یا یہ کہ کسی حدیث کو محض اس بنا پر ترجیح دی جائے کہ وہ کتبِ احادیثِ احکام میں مروی ہے، اور کسی حدیث کو صرف اس بنا پر مرجوح قرار دیا جائے کہ یہ کتبِ سیرت میں مروی ہے، کیوں کہ ناقدینِ حدیث کے ہاں، فرقِ مراتب کا معیار یہ نہیں کہ یہ حدیث، کتبِ حدیث میں مروی ہے، اس لئے برتر ہے، اور یہ حدیث کتبِ سیرت میں مروی ہے اس لئے فروتر ہے!

اس اجمال کی تفصیل میں پہلی بات تو یہ ہے کہ احادیثِ احکام ہوں یا روایاتِ سیرت، یا کوئی اور بابِ علم، جب بھی کوئی بات آں حضرت ﷺ کی طرف منسوب کی جائے گی تو اس کے لئے اوّلین شرط سند ہوگی، بلا سند آں حضرت ﷺ کی طرف کسی بات کی نسبت کی ہرگز اجازت نہیں۔ (۵۵)

دوسری بات یہ ہے کہ کسی حدیث و روایت کے صحیح یا ضعیف ہونے کا مدار اس کی سند اور متن پر ہے، یعنی کسی حدیث یا روایت کی صحت و ضعف کے فیصلے کا واحد راستہ یہ ہے کہ اس کی سند کے تمام راویوں کو جانچا، اور متن کے معانی کو دیگر اصولِ مسلمہ کی روشنی میں پرکھا جائے۔ (۵۶)

جب مذکورہ بالا دونوں باتیں سامنے رکھی جائیں تو یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ احادیثِ احکام ہوں یا روایاتِ سیرت، دونوں کی صحت و ضعف کے معلوم کرنے کی ایک ہی کسوٹی ہے، سند اور متن، چناں چہ کتبِ احادیث میں مذکور کوئی روایت اگر ایسی ہے کہ وہ ناقدین کے اصولِ نقدِ سند و متن پر پوری نہیں اترتی، تو محض اس وجہ سے کہ وہ کتبِ احادیث میں مذکور ہے، اس کو کوئی امتیازی درجہ نہیں دیا جا سکتا، اسی طرح اگر ایک روایتِ سیرت ایسی ہے کہ اس کا وجود صرف کتبِ سیرت میں ہے، کتبِ احادیث میں اس کا نام و نشان بھی نہیں، البتہ کتبِ سیرت میں وہ کسی ایسی سند سے مروی ہے جس پر ناقدینِ حدیث کی جانب سے اصح الاسانید کی مہر لگی ہوئی ہے، یا وہ ان تمام شرائط پر پوری اترتی ہے جنہیں اربابِ صحاح نے ملحوظ رکھا ہے، تو لامحالہ اس کو نفسِ صحت میں وہی درجہ دینا ہوگا جو کتبِ حدیث میں اس جیسی دیگر احادیث کو دیا جاتا ہے، محض اس بنا پر کہ وہ روایتِ سیرت ہے، اس کے ساتھ کوئی امتیازی رویہ اختیار کرنا، خلافِ قاعدہ ہوگا۔ (۵۷)

گویا کہ بات کتبِ حدیث یا کتبِ سیرت میں مروی ہونے کی نہیں، بل کہ بات سند و متن کے معیار کی ہے، اب یہ معیارِ متن و سند اگر کتبِ حدیث میں مروی احادیث میں ہو تو بھی سر آنکھوں پر، اور اگر کتبِ سیرت میں مروی کسی حدیث میں پایا جائے تو وہ بھی اسی طرح علی الراس والعین سمجھی جائے گی۔

اور جہاں تک فرقِ مراتب کی بات ہے تو یہ روایاتِ سیرت کا خاصہ ہی نہیں، بل کہ تمام اصنافِ

احادیث میں ہے، مفتی محمد شفیعؒ کی ایک تحریر سے اقتباس لائقِ ملاحظہ ہے:

اسلام میں اعتماد و اعتبار کا جو مقام قرآنِ کریم اور احادیثِ متواترہ کا ہے وہ عام احادیث کا نہیں، جو حدیثِ رسول کا درجہ ہے وہ اقوالِ صحابہ کا نہیں، اسی طرح تاریخی روایات کے اعتماد و اعتبار کا بھی وہ درجہ نہیں ہے، جو قرآن و سنت یا سندِ صحیح سے ثابت شدہ اقوالِ صحابہ کا ہے..... اعتبار و اعتماد کی یہ درجہ بندی کسی فن کی عظمت و اہمیت کو گھٹاتی نہیں، البتہ شریعت اور اس کے احکام کی عظمت کو بڑھاتی ہے، کہ ان کے ثبوت کے لئے اعتماد و اعتبار کا نہایت اعلیٰ درجہ لازم قرار دیا گیا ہے، پھر احکامِ شرعیہ میں بھی تقسیم کر کے عقائدِ اسلامیہ کے ثبوت کے لئے ہر شرعی دلیل بھی کافی نہیں سمجھی جاتی، جب تک قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت نہ ہو، باقی احکامِ عملیہ کے لئے عام احادیث جو قابلِ اعتماد سند کے ساتھ منقول ہوں وہ بھی کافی ہوتی ہیں۔(۵۸)

جب تمام کتبِ حدیث میں درج احادیث و روایات میں، صحت و قبول کے لحاظ سے فرقِ مراتب ہے، تو روایاتِ سیرت میں بھی فرقِ مراتب ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہیں، لہٰذا یہ بات تو کہی جا سکتی ہے کہ کتبِ سیرت کی روایات میں اس معیارِ صحت پر فائز احادیث نسبتاً کم اور احادیثِ احکام میں نسبتاً زیادہ ہیں، لیکن اس بنا پر سیرت کو حدیث سے الگ سمجھنا درست نہیں، کیوں کہ بالکل یہی بات تو اُن کتبِ حدیث میں بھی پائی جاتی ہے جنہیں محدثینِ کرام کتبِ حدیث کے تیسرے درجے میں شمار کرتے ہیں، جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۷۶ھ) کے حوالے سے مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۷۰ء) تحریر فرماتے ہیں:

کتبِ حدیث مقبول و غیر مقبول ہونے کے اعتبار سے پانچ قسم پر ہیں:

تیسری قسم: وہ کتابیں ہیں جن میں حسن، صالح، منکر، ہر نوع کی حدیثیں ہیں، جیسے سننِ ابنِ ماجہ، مسندِ طیالسی، زیاداتِ ابن احمد بن حنبل، مسندِ عبدالرزاق، مسندِ سعید بن منصور، مصنفِ ابی بکر بن ابی شیبہ، مسندِ ابویعلیٰ موصلی، مسندِ بزار، مسندِ ابن جریر، تفسیر ابن جریر، تفسیرِ ابن جریر، تاریخ ابن مردویہ، تفسیرِ ابن مردویہ، طبرانی کے معجم کبیر، معجم صغیر، معجم اوسط، سننِ دارقطنی، غرائبِ دارقطنی، حلیۂ ابی نعیم، سننِ بیہقی، شعب الایمان بیہقی۔(۵۹)

بل کہ اس معیار میں کتبِ حدیث کی چوتھی قسم تو شاید کتبِ سیرت سے بھی فروتر ہے، ملاحظہ فرمایئے:

چوتھی قسم: وہ کتابیں ہیں جن میں سب حدیثیں ضعیف ہیں اِلا ماشاء اللہ، جیسے نوادر الاصول حکیم ترمذی، تاریخ الخلفاء، تاریخ ابن نجار، مسند الفردوس دیلمی، کتاب الضعفاء عقیلی، کامل ابن عدی، تاریخِ خطیب بغدادی، تاریخ ابن عساکر۔(۶۰)

لہٰذا تیسرے اور چوتھے درجے کی مذکورہ بالا کتب اگر ہر طرح کی معتبر وغیر معتبر روایات پر مشتمل ہونے کے باوجود بھی کتبِ حدیث ہی کہلاتی ہیں، تو کتبِ سیرت سے ان کی یہ بنیادی شناخت کیوں کر چھینی جاسکتی ہے؟

روایاتِ سیرت اور نقد ونظر کا دائرۂ کار

اسلام نے نہ تو نقد ونظر پر کسی قسم کی کوئی پابندی عائد کی ہے، اور نہ ہی عقلوں پر پہرے بٹھائے ہیں، اسلام کی نظر میں تحقیق وتنقید بہ ذاتِ خود کوئی بری چیز نہیں، خود قرآنِ کریم نے اس کی طرف دعوت دی ہے، سورۂ فرقان میں عباد الرحمٰن کے عنوان سے اللہ تعالیٰ نے صالح اور نیک بندوں کی جو صفات بیان فرمائی ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے:

والذین إذا ذکروا بآیات ربھم لم یخروا علیھا صما وعمیانا (الفرقان:۷۳)

اللہ کے یہ صالح اور نیک بندے آیاتِ الٰہیہ پر اندھے بہروں کی طرح نہیں گر پڑتے کہ بے تحقیق جس طرح اور جو چاہیں عمل کرنے لگیں، بل کہ خوب سمجھ بوجھ کر بصیرت کے ساتھ عمل کرتے ہیں، بل کہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حدیث اور نقد ونظر کا باہمی تعلق ایسا ہی ہے، جیسا کہ روح اور جسم کا باہمی تعلق ہے، تو جو تاریخ تدوینِ حدیث کی ہے وہی تاریخ نقد ونظر کی ہے۔(۶۲)

ہر ذی شعور جانتا اور مانتا ہے کہ ہر چیز اور کام کی کچھ حدود ہوتی ہیں، ان کے دائرے میں رہ کر جو کام کیا جائے وہ مقبول ومفید ہوتا ہے۔ حدود واصول توڑ کر جو کام کیا جائے وہ کبھی بھی قابلِ قدر نہیں سمجھا جاتا، چناں چہ سیرت یا احادیثِ سیرت میں نقد ونظر کا بنیادی قاعدہ بھی یہ ہی ہے، قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک ناقدین، سیرت اور اس کے علاوہ دیگر اقسامِ حدیث کی چھان پھٹک کرتے چلے آئے ہیں، اس عمل کو کبھی کسی نے برا نہیں کہا، بل کہ ہمیشہ اسے حدیث وسیرت کی خدمت ہی سمجھا گیا، آج بھی اگر ان ہی حدود وقیود کو ملحوظ رکھ کر سیرت میں نقد ونظر کا عمل جاری ہو تو نہ صرف یہ کہ قابلِ قبول، بل کہ باعثِ صد ستائش ہوگا۔

تاہم سیرت میں نقد ونظر کی اس وادیٔ پُر خار میں قدم رکھنے سے پہلے پیشِ نظر ہونا ضروری ہے کہ یہ

کسی عام لیڈر، یا دنیوی مقنن کی سوانح عمری نہیں، جو چند تاریخی حکایات اور بے سند باتوں کا مجموعہ ہو، جس کو پرکھنے کے لئے عقلی قرائن کے سوا کوئی ذریعہ ہی نہ ہو، بل کہ یہ اس صاحبِ شریعت کے قول وفعل اور حالاتِ زندگی کی حکایت ہے جس کی شریعت قیامت تک آنے والے ہر ذی شعور کے لئے واحد طریقِ نجات ہے، یہاں ذرا سی غفلت سے منزل کھوٹی ہونے، اور ذرا سے قدم ڈگمگانے سے اندھیری گھاٹیوں میں گرتے چلے جانے کا کھٹکا ہر دم دامن گیر ہے، حکیم عبدالرؤف داناپوری نے کیا خوب صورت بات تحریر فرمائی ہے:

> یہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہے، آپ کا ایک ایک لفظ، اور ایک ایک فعل اسلام کے لئے حجت ہے، روایات کے الفاظ اور مفاہیم کے ادنیٰ تغیر سے مذاہب بن گئے ہیں، اس لئے ہر ہر سطر، ہر ہر لفظ، اور ہر ہر روایت کو بڑی جانچ اور بڑی احتیاط سے لکھنے کی ضرورت ہے۔(۶۳)

لہٰذا نہ تو کوئی بات بلا سند واستناد آں حضرت ﷺ کی طرف منسوب کی جا سکتی ہے، اور نہ ہی آپ ﷺ سے متعلق ہر ہر بات میں یہ اختیار دیا جا سکتا ہے کہ آزادیٔ رائے یا نقد ونظر کے سلے میں بہہ کر اس کو ہدفِ تنقید بنالیا جائے، چناں چہ آں حضرت ﷺ کے حوالے سے جو اشیا اسلام میں مسلمہ عقائد کے درجے میں ہیں، یا قرآنِ کریم اور احادیث متواترہ ومشہورہ سے ثابت شدہ قطعیات کے درجے میں، یا عصمتِ انبیاء اور ناموسِ رسالت کے لحاظ سے اصول وکلیات کی حیثیت رکھتی ہیں، ان میں نقد ونظر کی گنجائش نہیں ہے، البتہ جو اشیا ظنیات کے درجے میں ہیں، کسی قطعی دلیل سے ان کا ثبوت نہیں ملتا، ان سے متعلق روایات پر نقد ونظر، اگر ناقدینِ حدیث کے بیان کردہ اصولِ روایت ودرایت کی روشنی میں ہو، اس قسم کی کسی روایت کے ثبوت وعدمِ ثبوت، صحت وعدمِ صحت یا قبول وعدمِ قبول کی بات ہو اور آدابِ نقد ونظر کا لحاظ رکھ کر اس پر تنقید کی جائے، تو یہ کل بھی خدمتِ سیرت تھا، اور آئندہ بھی خدمت ہی رہے گا، تاہم یہ خیال رہنا ضروری ہے کہ اس تنقید کا اثر اس روایت تک موقوف رہے، جس شخصیت کی طرف اس روایت کی نسبت کی جارہی ہے، اس کی شان میں کسی قسم کی گستاخی اور بے ادبی نہ مغربی ناقدین کی جانب سے قابلِ قبول ہے، اور نہ ہی ان نام نہاد مشرقی دانش وروں کی جانب سے، جو اُن مغربی ناقدین کی ہاں میں ہاں ملانے کے عادی ہیں۔

اربابِ سیرت اور ناقدینِ حدیث کے اصولِ نقد ونظر

جب یہ طے ہے کہ سیرت، حدیث ہی کی ایک قسم ہے، تو ظاہری بات ہے کہ احادیثِ سیرت

کے نقد ونظر کے اصولِ روایت ودرایت بھی وہی ہیں جو دیگر اقسام حدیث کے نقد ونظر کے لئے ناقدینِ حدیث نے وضع کیے، تاہم سابقہ مضامین کے مطالعے کے دوران کئی بار یہ بات بھی سامنے آئی

ارباب سیر نے وہ احتیاط نہیں برتی جو محدثین نے احکام کی احادیث کے بارے میں برتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا اربابِ سیر نے سیرت کے لئے ناقدینِ حدیث کے طے کردہ اصولِ روایت ودرایت سے انحراف کیا، یا ان کے اجر میں کم زوری دکھائی اور ان پر سختی سے کار بندِ عمل نہیں رہے؟ یا اس نرم روی کا راستہ خود اُن ناقدینِ حدیث نے ہی ان ہیں دکھایا؟

واقعہ یہ ہے کہ اس الزام میں تمام اربابِ سیرت کو اس طرح ایک کمان سے نشانہ بنانا روا نہیں، کیوں کہ دورِ قدیم کے بیشتر سیرت نگاروں کے ہاں نقد ونظر سے زیادہ ذخیرۂ سیرت کی حفاظت اہم تھی، اس لئے انہوں نے اپنی زیادہ کاوشیں اسی پر صرف کیں، تاکہ مختلف اسالیب اور عناوین کے تحت جس قدر ہو سکے روایاتِ سیرت کو جمع کر دیا جائے، بایں ہمہ دورِ قدیم میں ایسے سیرت نگار بھی رہے، جنہوں نے ذخیرۂ سیرت میں نقد ونظر سے کام لیا۔(۶۴) تاہم اگر انہوں نے اس بارے میں کوئی نرم روی اختیار کی تو اس میں ان سے زیادہ ناقدینِ حدیث ہاتھ ہے، کیوں کہ احادیثِ سیرت اور احادیثِ احکام کا یہ فرق اربابِ سیر کا قائم کردہ نہیں، بل کہ ناقدینِ حدیث کے معاییرِ نقد ونظر کا ہی حصہ ہے، چناں چہ ناقدین حدیث کے سرخیل حافظ عبدالرحمٰن بن مہدیؒ (متوفی ۱۹۸ھ) سے بہ سندِ متصل منقول ہے:

عن عبد الرحمن بن مهدی یقول إذا روینا عن النبیﷺ فی الحلال والحرام والاحکام شددنا فی الاسانید وانتقدنا الرجال وإذا روینا فی فضائل الاعمال والثواب والعقاب والمباحات والدعوات تساهلنا فی الاسانید (٦٥)

اسی طرح چوٹی کے ناقدِ حدیث حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (متوفی ۲۴۱ھ) سے منقول ہے:

إذا روینا عن رسول الله ﷺ فی الحلال والحرام والسنن والاحکام تشددنا فی الاسانید وإذا روینا عن النبی ﷺ فی فضائل الاعمال وما لا یضع حکما ولا یرفعه تساهلنا فی الاسانید (٦٦)

امامِ جرح وتعدیل ابوعبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی (متوفی ۳۲۷ھ) اپنی مایۂ ناز کتاب الجرح والتعدیل کے مقدمے میں راویانِ حدیث کی شرائط، اقسام اور ان سے متعلق حکم بیان فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

ومنهم الصدوق الورع المغفل الغالب عليه الوهم والخطا والسهو والغلط فهذا يكتب من حديثه الترغيب والترهيب والزهد والاداب ولا يحتج بحديثه في الحلال والحرام (٦٧)

یہی فرق امام المحدثین سفیان ثوری (متوفی ۱۶۱ھ)، امام عبداللہ بن مبارک (متوفی ۱۸۱ھ)، امام سفیان بن عیینہ (متوفی ۱۹۸ھ)، سید الحفاظ امام یحییٰ بن معین (متوفی ۲۳۳ھ)، اور امام ابوزکریا عنبری (متوفی ۳۴۴ھ) رحمہم اللہ جیسے محدثین ناقدین سے بھی منقول ہے۔ (٦٨)

گویا کہ متقدمین ومتاخرین ائمۂ جرح وتعدیل اور ناقدینِ حدیث اسی خیال کے حامل تھے، حتیٰ کہ حافظ المغرب علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۶۳ھ) نے تو اسے تمام محدثین کا مشترکہ موقف کہا ہے:

واهل العلم بجماعتهم يتساهلون في الفضائل فيروونها عن كل وإنما يتشددون في احاديث الاحكام (٦٩)

حافظ ابوبکر خطیب بغدادی (متوفی ۴۶۳ھ) بھی اسلاف کے حوالے سے اسی قسم کی بات نقل کرتے ہیں:

باب التشدد في احاديث الاحكام والتجوز في فضائل الاعمال: قد ورد عن غير واحد من السلف انه لا يجوز حمل الاحاديث المتعلقة بالتحليل والتحريم الا عمن كان برينا من التهمة بعيدا من الظنة واما احاديث الترغيب والمواعظ ونحو ذلك فإنه يجوز كتبها عن سائر المشايخ (٧٠)

اسی لئے بعد کے بیشتر محدثین اور اربابِ مصطلح الحدیث نے بھی اسی بات کو اپنی کتب اصولِ حدیث میں بہ طورِ قاعدہ ذکر کیا ہے، چناں چہ علامہ عبدالحئی لکھنوی (متوفی ۱۳۰۴ھ) تحریر فرماتے ہیں:

وليعلم ان الاحكام وغير الاحكام، وإن كانت متساوية الاقدام في الاحتياج إلى السند، وما خلا عن السند فهو غير معتمد، إلا ان بينهما فرقا من حيث إنه يشدد في اخبار الاحكام من الحلال والحرام، وفي غيرها يقبل الاسناد الضعيف بشروط صرح بها الاعلام (٧١)

اب انصاف سے فرمایئے کہ اگر نقادِ حدیث کے ان جیسے بیانات اور قواعد کی روشنی میں سیرت نگاروں نے درج ذیل نتیجہ اخذ کیا تو اس میں ان کا کیا قصور ہے:

ولا یخفی ان السیر تجمع الصحیح والسقیم والضعیف والبلاغ والمرسل والمنقطع والمعضل دون الموضوع ومن ثم قال الزین العراقی رحمه اللّٰه:

ولیعلم الطالب ان السیرا تجمع ما صح وما قد انکرا وفی الاصل والذی ذهب إلیه کثیر من اهل العلم الترخص فی الرقائق ومالا حکم فیه من اخبار المغازی وما یجری مجری ذلك وانه یقبل منها مالا یقبل فی الحلال والحرام لعدم تعلق الاحکام بها (۷۲)

معلوم ہوا کہ سیرت میں ''صحیح'' و''حسن'' کے ساتھ ساتھ تمام انواعِ ضعیف بھی کام آتی ہیں، بہ شرطے کہ ضعفِ شدید یا وضع کے درجے میں، اور اپنے سے کسی برتر نص سے متعارض نہ ہوں، یہ اصول اربابِ سیر نے از خود نہیں بنائے بل کہ ناقدینِ حدیث کے ہی فراہم کردہ ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل کے تناظر میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ دورِ قدیم میں سیرت نگاروں کے دو بنیادی مقصد رہے، ان ہی مقاصد کے تحت سیرت نگاری میں انہوں نے رویئے بھی دو طرح کے اختیار کیے:

۱۔ جن حضرات کے پیشِ نظر موادِ سیرت کی جمع و تدوین تھی انہوں نے سیرت اور مغازی سے متعلق ہر طرح کی احادیث اور آثار جمع کر دیے۔

۲۔ اور جن حضرات کے پیشِ نظر جمع و تدوین کے ساتھ ساتھ تنقیح و تنقید بھی رہی، انہوں نے ناقدینِ حدیث کی ہدایات کے تحت ان میں نقد و نظر سے کام بھی لیا۔

دیکھا جائے تو دونوں کام ہی اپنے اپنے موقع پر انتہائی قابلِ قدر ہیں۔ اگر پہلی جماعت یہ طے کر لیتی کہ کڑی شرائط طے کر کے، صرف ان شرائط پر پورا اترنے والی احادیث و روایات کی جمع و تدوین کی جائے، تو آج سیرت سے متعلق ہر موضوع پر جو عظیم الشان ذخیرہ موجود ہے، نہ یہ سارا ذخیرہ محفوظ ہوتا اور نہ ہی بعد میں آنے والوں کے ذوقِ نقد و نظر کا سامان ہوتا، چناں چہ اہلِ بصیرت سے مخفی نہیں ہے کہ کئی روایاتِ سیرت یا احادیث ایسی ہیں کہ مختلف کتب میں مروی ان کی مختلف اسانید میں سے، ہر سند بہ جائے خود اس بات کے اثبات کے لئے ناکافی ہے، لیکن ان سب سندوں اور طُرق کو یک جا سامنے رکھنے سے ان کے مشترک معنی ثابت ہو جاتے ہیں، اگر ایسا ہوتا کہ ہر مؤلف اپنی روایت کی سند کو ناقابلِ اعتبار قرار دے کر مسترد کر دیتا، اور محفوظ نہ کرتا تو آپ سوچ سکتے ہیں کہ اس کا منفی نتیجہ اس قابلِ قدر ذخیرے کے ضیاع کی صورت میں آج ہمارے سامنے ہوتا، جب ذخیرہ ہی نہ ہوتا تو نہ یہ علمی بزم آرائیاں ہوتیں، نہ بحث و مباحثے کی یہ گرم جوشیاں، اور نہ ہی نقد و نظر کے ذوق کی تسکین!

بہ ہر حال اس میں شبہ نہیں کہ اربابِ سیرت کی کتب میں رطب ویابس سب کچھ آ گیا، اور دیگر وجوہات میں سے اس کی ایک وجہ، اُن میں سے بعض حضرات کا تساہل بھی ہے، لیکن اس کی وجہ سے سب کو قصوروار ٹھہرانا، یا پورے ذخیرے پر یک سر حکم لگانا ہرگز مناسب نہیں، چناں چہ کتبِ حدیث میں بھی ایسی کتب کی کمی نہیں، جو اس بارے میں کتبِ سیر سے بھی آگے ہیں، جیسا کہ حکیم عبدالرؤف دانا پوری رقم طراز ہیں:

> الغرض محدثین کے یہاں جو صحیح روایتیں ہیں، اصحابِ سیرت کو ان کی ترجیح میں کلام نہیں ہے، لیکن ان کو اپنی ضروریات کے لئے اور روایتیں بھی لینی پڑتی ہیں، جس کے لئے وہ اپنا معیار الگ قائم کرتے ہیں، بلاشبہ جس طرح حدیث کی کتابوں میں محدثین کے شدید احتیاط کے باوجود بہت سی غلط اور موضوع روایتیں داخل ہوگئی ہیں، اس طرح سیرت میں بھی بہت سی موضوعات ہیں، لیکن ان موضوعات کو خارج کر دیا جائے تو دنیا کے کسی قوم کی کوئی تاریخ اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی، اس لئے کہ اور کہیں نہ سند ہے نہ موضوعات کو جدا کیا جا سکتا ہے۔(۷۳)

دورِ قدیم کے اصولِ نقد ونظر اور دورِ جدید کے سیرت نگاروں کے رویے

علمی وسائل کی فراوانی، اور مغربی ناقدین کی طرف سے سیرت کے تنقیدی مطالعے نے نقد ونظر کو دورِ جدید کی سیرت نگاری کا لازمی حصہ بنادیا، اسی لئے دورِ قدیم کے اصولِ نقد ونظر سے متعلق دورِ جدید میں سیرت نگاروں کے مختلف رویے سامنے آئے، یہ مختصر سا بیان تمام رویوں کا احاطہ اور ان پر کسی مفصل تجزیے یا تبصرے کا متحمل تو نہیں، تاہم ایک جھلک کے طور پر ان میں سے چیدہ چیدہ رویوں کو اختصار کے ساتھ درج کیا جا سکتا ہے:

۱۔ پہلا رویہ: متقدمین کے اصولِ روایت ودرایت کو بہ جا تسلیم کر کے، تمام روایاتِ سیرت پر ان کا اجرا۔

دورِ جدید کے بیشتر سیرت نگار اسی مکتبِ خیال سے تعلق رکھتے ہیں، البتہ اصولِ روایت ودرایت کی تطبیق کے انداز کچھ مختلف ہوئے ہیں، بعض حضرات نے اس حد تک تشدد سے کام لیا کہ احادیثِ احکام اور روایاتِ سیرت میں کسی قسم کا فرق نہ کیا، حتیٰ کہ روایاتِ سیرت کو احادیثِ احکام کی کسوٹی پر پرکھا، مثلاً صحیح السیرۃ النبویۃ المسماۃ السیرۃ الذہبیۃ کے مؤلف شیخ محمد بن رزق بن طرہونی اپنے منہجِ تالیف میں بیان

فرماتے ہیں:

علی الرغم من المنهج المعروف عند اهل العلم فی التساهل فی الروايات التی تتعلق بالمغازی والفضائل والرقائق والزهد ونحوها، فإننی لم اسر علی هذا المنهج، بل اعامل الروايات فی هذا المضمار معاملة الاحكام، فاسلك فيها طريقة اهل العلم فی الحكم علی روايات الاحكام (۷۴)

جب کہ بعض حضرات نے یہ عندیہ دیا کہ متنِ روایت اصولِ عامہ کی روشنی میں قابلِ قبول ہو تو، نقدِ سند میں تساہل سے کام لیا جا سکتا ہے، اگر چہ ناقدینِ حدیث کے ہاں اس کی سند کو واہی ہی کیوں نہ کہا گیا ہو، بل کہ اس کے مقابلہ میں بسندِ صحیح مروی احادیث سے بھی صرفِ نظر کر لیا جائے، مثلاً فقہ السیرۃ کے مؤلف شیخ محمد غزالی اپنا منہج تحریر فرماتے ہیں:

آثرت هذا المنهج فی كتابة السيرة، فقبلت الاثر الذی يستقيم متنه مع ما صح من قواعد واحكام، وإن وهی سنده، واعرضت عن احاديث اخریٰ توصف بالصحة، لانها فی فهمی لدين الله، وسياسةالدعوة لم تنسجم مع السياق العام (۷۵).

جب کہ ان میں ایسے اعتدال پسند لوگ بھی شامل ہیں جنہوں نے متقدمین کے نقشِ قدم کی پیروی کی مکمل اور کامیاب کوشش کی، اصولی اور بنیادی مضامین صحیح احادیث کی روشنی میں طے کیے، پھر درمیانی خلاء پُر کرنے کے لئے ناقدینِ حدیث کے معیاروں کے تحت رہ کر ''واہی'' و ''موضوع'' کے علاوہ دیگر اقسامِ ضعیف سے بھی فائدہ اٹھایا، جن اقسامِ حدیث کو متقدمین نے جو درجہ دیا انہوں نے بھی وہی درجہ دیا، اس موقع پر مولانا حکیم عبدالرؤف داناپوری صاحب کی اصح السیر اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی سیرۃ المصطفیٰ کو مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے، جو بلا شبہ دورِ جدید میں اعتدال کے ساتھ متقدمین کے اصولِ نقد ونظر کے تحت لکھی گئی دو مثالی کتابیں ہیں، دونوں میں روایاتِ سیرت کا حسنِ انتخاب، اور ان پر اصولِ نقد ونظر کی روشنی میں کلام، کے بعد کسی نتیجے تک رسائی کی کوشش ہے، اور مجموعی حیثیت سے منہج قابلِ تحسین ہے، چناں چہ اول الذکر کے بارے میں مولانا حسن مثنیٰ ندوی کا مختصر وقابلِ قدر تبصرہ یہ ہے:

یہ کتاب مولانا عبدالرؤف قادری داناپوری کی تالیف ہے، مولانا عالم اور مؤرخ ہیں، جا بہ جا معتدل انداز کی تحقیق وتشریح سے کام لیتے ہیں، اور اپنے استدلال کو روایات سے تقویت پہنچاتے ہیں۔ (۷۶)

جب کہ ثانی الذکر کے بارے میں مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا تبصرہ ایک بڑی علمی سند ہے:

سیر کے جتنے حقوق ولوازم ہیں، ماشاء اللہ ان کو خاص طور پر پورا کیا گیا ہے...... کتاب کا عنوان اور معنون ایسا دل کش اور اس کا مصداق ہے:

زفرق تا بہ قدم، ہرکجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامنِ دل مے کشد کہ جا ایں جا است (۷۷)

ویسے تو ان دونوں کتابوں کا ہر ہر لفظ پڑھنے کے لائق ہے، تاہم بہ طورِ مثال چند لائق ملاحظہ مواقع یہ ہیں:

بحث وفدِ بنی المنتفق، از اصح السیر: ص ۴۵۲ تا ۴۵۴

خطبۂ غدیر خم اور مسئلۂ امامت ایضاً: ص ۴۹۵ تا ۵۰۰۔

حدیث خوخہ ایضاً: ص ۵۱۷ تا ۵۱۹۔

کسریٰ کے محل کے کنگروں کا گرنا از سیرت المصطفیٰ ج ۱، ص ۵۵ تا ۶۱

قصۂ بحیرا راہب ایضاً ج ۱، ص ۸۸ تا ۹۳۔

تحقیق وتوثیق قصۂ میسرہ، ایضاً: ج ۱، ص ۱۰۲ تا ۱۰۷

۲۔ دوسرا رویہ: بعض صاحبِ طرز سیرت نگاروں نے متقدمین کے اصولِ روایت ودرایت سے جزوی اختلاف کیا، لیکن زیادہ امور میں ان ہی کی پیروی کی، مثلاً علامہ شبلی نعمانی نے سیرت النبی ﷺ کے مقدمے میں ناقدین حدیث کے روایتی ودرایتی معیار پر تفصیل سے بحث کرنے کے بعد ان میں جزوی ترامیم واضافے ضروری سمجھے ہیں۔ (۷۸)

۳۔ تیسرا رویہ: قدیم وجدید طرزِ فکر کے امتزاج کے حامل بعض سیرت نگاروں نے محدثین کے اصولِ روایت ودرایت کے ساتھ ساتھ مغربی ناقدین کے اصولِ نقد ونظر کو بھی پیش نظر رکھ کر بہتر نتائج حاصل کرنے کی کوشش کی، مثلاً ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ کے مقدمے میں ناقدینِ حدیث اور مغربی ناقدین کے اصولِ نقد ونظر کا جائزہ لینے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

إن الجمع بین معطیات منهج المحدثین ومنهج النقد الغربی یعطی امثل النتائج إذا حکمت الاخیر معاییر التصور الاسلامی (۷۹)

۴۔ چوتھا رویہ: بعض حضرات نے صرف ان احادیث کی روشنی میں سیرت مرتب کرنے کی کوشش کی جو صحت کی کڑی شرائط پر پورا اترتی ہیں، ظاہر ہے اس طرزِ نگارش سے یہ فائدہ تو ہوا کہ سیرت سے

متعلق کڑی شرائط پر پورا اترنے والا مواد سامنے آ گیا، لیکن ایک روایت کو دوسری سے مربوط کرنے کا مسالہ کڑی شرائط کے مطابق نہ ملنے کی وجہ سے ان ہیں بھی اپنی شرائط میں نرمی کرنی پڑی، مثلاً شیخ ابراہیم العلی صحیح السیرۃ النبویۃ کے مقدمے میں تحریر فرماتے ہیں:

لذلك فقد اعتمدت هذه الدراسة على اصح الروايات، ومصنفات الحديث تحتوى على ثروة كبيرة من الاحاديث الصحيحة تكون عند قارئها صورة كاملة من سيرة النبى ﷺ، لذلك اقدم الرواية الموجودة فى كتب الحديث على الرواية الموجودة فى كتب المغازى والسير وما فى الصحيح اصح (۸۰)

۵۔ پانچواں رویہ: بعض حضرات نے ایک طرف سے مغربی تنقید اور دوسری طرف سے حدیث کے اصولِ نقد ونظر کی پیچیدگیوں سے گھبرا کر صرف قرآنِ کریم کو روایاتِ سیرت کے پرکھنے کی کسوٹی قرار دیا، جو اس کے مطابق نظر آیا اسے قبول کرلیا، جو اس کے مخالف محسوس ہوا، اسے رد کردیا، مثلاً محمد حسین ہیکل (متوفی ۱۹۵۶ء) اپنی مشہورِ زمانہ کتاب حیاۃ محمد کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

فهذه المصادر، وفى مقدمتها القرآن، هى اول من تحدث عن حياة النبى العربى، فلاجرم ان تكون العمدة والاساس لكل من يريد ان يكتب سيرته باسلوب العصر وطريقته.... كما جعلتها عمدتى فى بحثى (۸۱)

مزید تحریر فرماتے ہیں:

وفى مقدمة ما يجب علينا من ذلك، خدمة للحقيقة وللانسان ية، ان نتعمق فى دراسة سيرة النبى العربى تعمقا يهدى الانسان ية طريقها إلى الحضارة التى تنشدها، والقرآن اصدق مرجع لهذه الدراسة، فهو الكتاب الذى لا ياتيه الباطل ولا تعلق به الريبة....... فكل ما تعلق بسيرة محمد يجب ان يعرض على القرآن، فما وافقه كان حقا، ومالم يوافقه لم يكن بحق، وقد حاولت من ذلك فى هذا البحث جهد طاقتى الخ (۸۲)

دورِ جدید کی سیرت نگاری اور مقبول ترین رویہ

جب عیاں ہے کہ جواہرِ سیرت کے اصل نقاد اور جوہری، محدثینِ کرام ہیں، جنہوں نے سال

ہا سال کی محنت سے نقد ونظر کی کسوٹی کو انتہائی مضبوط ومستحکم اور اپنے اصولِ نقد کو ہر پہلو سے اتنا متوسط اور معتدل بنا رکھا ہے کہ ان سے جزوی اختلاف تو ممکن ہے، لیکن ان کو یک سر نظر انداز کرنا، یا ان کے بالمقابل نئے اصول طے کرنا، یا مغربی ناقدین کے اصولوں کو ان پر ترجیح دینا بڑی علمی غلطی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو امتِ وسط بنایا، اسے متوسط اور معتدل طرزِ فکر اور احکام دیئے، یہ اعتدال ہی اس کی بنیادی خوبی ٹھہرا، علم کا میدان ہو یا عمل کا، دینی معاملات ہوں یا دنیوی، ملتِ اسلام نے ہمیشہ معتدل ومتوسط درجے کو خیر الامور سمجھا، اسلامی علوم پر صدیاں بیت گئیں، اس دوران ہر فن میں ہر مزاج کے صاحبِ علم ہوئے، ہر متخصص نے مختلف طرزِ نگارش کے تحت اپنے اختصاصی علم وفن کی خدمت انجام دی، تاہم آپ کسی بھی علم وفن کے ماہرین پر نگاہ ڈالئے! جو صاحبِ فن جتنا معتدل ہوا، قبولِ عام بھی اسے اتنا ہی ملا۔ یہ ہی وجہ ہے کہ دورِ جدید کی سیرت نگاری کے درجِ بالا رویوں میں سے اول الذکر رویہ سب سے معتدل ہونے کی بنا پر سب سے اہم اور دیگر رویّوں کے بہ نسبت زیادہ قابلِ قبول ہے۔ پھر اس مکتبِ خیال سے تعلق رکھنے والے حضرات میں سے جو بھی معتدل ناقدینِ حدیث کے منہج نقد ونظر کو جتنا گہرائی سے سمجھا، اس نے ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی جتنی کوشش کی، وہ اتنا ہی محتاط رہا، اور اس کا انداز اتنا ہی قابلِ قبول رہا، اور جس نے جس قدر عام روش سے ہٹ کر حد سے زیادہ نرمی یا بے جا سختی کا طرز اختیار کیا، وہ جادۂ مستقیم سے اتنا ہی دور ہو گیا۔

الغرض دورِ جدید کے سیرت نگاروں کے ان رویوں میں سے مقبول ترین رویہ یہ ہے کہ دورِ قدیم کے تمام اصولِ روایت ودرایت کے تحت رہ کر نقد ونظر کیا جائے، اگر اس واقعے سے کسی شرعی مسئلے کا اثبات مقصود نہ ہو، تو اس میں ناقدینِ حدیث کی شرائط کے تحت حدیثِ ضعیف کی تمام اقسام قبول کی جائیں، تاہم اگر کسی واقعۂ سیرت سے کسی شرعی حکم کا اثبات مقصود ہو تو اس میں ان قواعد واصول کے تحت نقد ونظر ہو، جو ناقدینِ حدیث کے ہاں احادیثِ احکام کی چھان پھٹک کے لئے ضروری ہیں، محض اس بنا پر کہ اس واقعہ کو اربابِ سیر نے ہی بیان کیا ہے، احادیثِ احکام کے تحت اس کا ذکر نہیں ہوا، اس سے استدلال منع نہیں کیا جا سکتا، چناں چہ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ہاں! اگر کوئی شخص ان سے عقیدہ یا عمل کا مسئلہ ثابت کرنا چاہے، تو روایت وراوی کی محدثانہ تنقید وتحقیق اس کی اپنی ذمے داری ہے، وہ ائمۂ فن اس سے بری ہیں۔ علمائے محققین نے اس کو پوری طرح واضح کر دیا ہے کہ عقائد واعمالِ شرعیہ کے معاملے میں تاریخی روایات جو عموماً صحیح وسقیم، معتبر وغیر معتبر کا مخلوط مجموعہ ہوتی ہیں، ان کو نہ کسی مسئلے کی

سند میں پیش کیا جا سکتا ہے، نہ بلاتحقیقِ محدثانہ ان سے استدلال کر کے کوئی مسئلۂ شرعیہ ثابت کیا جا سکتا ہے۔(۸۳)

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں سیرت کو سمجھنے، پرکھنے، اور اس پر کاربند عمل ہونے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

حواشی وحوالہ جات

۱۔ دورِ جدید کی سیرت نگاری پر ان مغربی ناقدین کی تنقید کے متعدد اثرات ہیں، تاہم ان میں سے ایک مثبت اثر یہ ہوا کہ بیدار خیال اہل علم کے حلقے میں اپنے ذخیرے پر از سرِ نو غور وفکر کی ریت پڑ گئی، دفاع سے پہلے اس بات پر غور ہونے لگا کہ زیرِ تنقید بات کی دینی، علمی اور استنادی حیثیت کیا ہے؟ یہ واقعتاً سیرت طیبہ کا حصہ بھی ہے یا نہیں؟ چناں چہ اس تاثر کے تحت نقد ونظر کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ جس میں سیرت کے ان جزئی واقعات کا بھی مختلف پہلوؤں سے جائزہ لینے اور باریک بینی سے دیکھنے کا موقع ملا، جو اس سے قبل عوام کے ہاں نوکِ زباں اور خواص کے ہاں نوکِ قلم تھے، نتیجتاً سیرت میں خاصی گراں قدر تحقیقی وتنقیدی خدمات سامنے آئیں۔

۲۔ السخاوی، محمد بن عبدالرحمٰن، شمس الدین الحافظ (المتوفی ۹۰۲ھ)۔ الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ۔ تحقیق وتعلیق بالانکلیزیۃ فرانز روشال۔ ترجمۃ التعلیقات بالعربیۃ ونشر الدکتور۔ صالح احمد العلی، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ص۵۰

محمد شفیع، مولانا (متوفی ۱۹۷۶ء)۔ مقامِ صحابہ۔ نشر مکتبہ معارف القرآن کراچی، طبع جدید ۱۴۳۰ھ: ص۱۳

۳۔ مقامِ صحابہ: ص۱۷، بتغییر یسیر

۴۔ حوالۂ بالا: ص۱۸، بتغییر یسیر

۵۔ الطنطاوی، علی۔ مقدمۃ قصص من التاریخ۔ المکتب الاسلامی۔ الطبعۃ الثانیۃ: ص۷ تا ۱۴

الشیخ، عبدالستار۔ مقدمۃ اعلام الحفاظ والمحدثین عبر اربعۃ عشر قرنا۔ دار القلم دمشق۔ دار الشامیۃ بیروت: ج۱، ص۹۵

۶۔ گیلانی، مناظر احسن، علامہ سید (المتوفی ۱۹۵۶ء)۔ تدوین الحدیث۔ تعریب ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر۔ مراجعۃ وتخریج ڈاکٹر بشار عواد معروف۔ دار الغرب الاسلامی بیروت۔ الطبعۃ الاولی ۲۰۰۴ء: ص۲۸ تا ۳۱

محمد شفیع، مولانا مفتی اعظم۔ مقامِ صحابہ، ص۱۴

مبارک پوری، مولانا قاضی اطہر۔ تدوین سیر ومغازی۔ نشر شیخ الہند اکیڈمی، دار العلوم دیو بند: ص۱۵

۷۔ البوطی، محمد سعید رمضان۔ فقہ السیرۃ۔ دار الفکر بیروت، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۰۰ھ: ص۱۸

۸۔ البخاری، محمد بن اسماعیل (المتوفی ۲۵۶ھ)۔ الجامع الصحیح۔ المطبعۃ الکبریٰ الامیریۃ بولاق، مصر، الطبعۃ الاولی

۱۳۱۲ھ: ج ۲، ص ۸۰، وغیرہ کتبِ حدیث

السیوطی، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، جلال الدین ابوالفضل الشافعی (المتوفی ۹۱۱ھ)۔ الجامع الصغیر مع فیض القدیر للمناوی۔ دارالمعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثانیۃ تصویر الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۹۱ھ: ج ۶، ص ۲۱۴ تا ۲۱۵

۹۔ ندوی، سید سلیمانؒ، علامہ (متوفی ۱۹۵۳ء)۔ سیرت النبی۔ مطبع معارف، اعظم گڑھ (انڈیا)، طبعِ دوم، سن ۱۹۲۸ء: ج ۳ ص ۶۶۳

۱۰۔ مقامِ صحابہ: ص ۲۲

تدوین الحدیث: ص ۳۸

۱۱۔ داناپوری، عبدالرؤف، مولانا حکیم ابوالبرکات قادری۔ مقدمہ اصح السیر فی ہدی خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم۔ مجلس نشریاتِ اسلام کراچی۔ ۱۹۸۱ء: ص ۴

۱۲۔ معروف شارحِ حدیث امام نوویؒ (متوفی ۶۷۶ھ) اس طرح رقم طراز ہیں:

فرق فی تحریم الکذب علیه صلی اللّٰه علیه و سلم بین ما کان فی الاحکام وما لا حکم فیه کالترغیب والترهیب والمواعظ وغیر ذلك فکله حرام من اکبر الکبائر واقبح القبائح باجماع المسلمین الذین یعتد بهم فی الاجماع (النووی، یحییٰ بن شرف، محی الدین ابو زکریا الامام الحافظ (المتوفی ۶۷۶ھ)۔ المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج۔ المطبعۃ المصریۃ بالازہر، الطبعۃ الاولی ۱۳۴۷ھ: ج ۱، ص ۷۰)

دیگر شراحِ حدیث اور محققین سیرت نگاروں نے بھی حدیث کے اس عموم کی تصریح کی ہے، جن میں سے چند حوالے حسبِ ذیل ہیں:

العینی، محمود بن احمد، ابو محمد بدرالدین (المتوفی ۸۵۵ھ)۔ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری۔ ضبط وتصحیح عبداللہ محمود محمد عمر۔ دارالکتب العلمیۃ بیروت، الطبعۃ الاولی ۱۴۲۱ھ: ج ۲، ص ۲۲۴۔ کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی

المناوی، محمد عبدالرؤف، زین الدین الحدادی (المتوفی ۱۰۳۱ھ)۔ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر۔ دارالمعرفۃ بیروت، الطبعۃ الثانیۃ تصویر الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۹۱ھ: ج ۶، ص ۲۱۴، رقم الحدیث: ۸۹۹۳

الارنؤوط، شعیب، والارنؤوط، عبدالقادر۔ مقدمۃ التحقیق۔ زاد المعاد فی ہدی خیر العباد۔ تالیف ابن القیم، محمد بن ابی بکر، شمس الدین ابوعبداللہ الامام المحدث (المتوفی ۷۵۱ھ)۔ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، الطبعۃ السابعۃ والعشرون: ج ۱، ص ۱۰ و ۱۱

۱۳۔ اصح السیر: ص ۸

غضبان، منیر محمد، فقہ السیرۃ النبویۃ۔ مرکز البحوث العلمیۃ واحیاء التراث الاسلامی، جامعۃ ام القریٰ مکۃ

المکرمۃ، الطبعۃ الاولی ۱۴۱۹ھ: ص ۱۳

۱۴۔ عتر، نورالدین الدکتور۔ منہج النقد فی علوم الحدیث۔ دارالفکر سوریۃ، تصویر الطبعۃ الثالثۃ سنۃ ۱۴۰۸: ص ۲۷

جب کہ علامہ طاہر الجزائری (متوفی ۱۳۳۸ھ) اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

وذهب بعض العلماء إلى إدخال كل ما يضاف إلى النبي عليه الصلاة و السلام في الحديث فقال في تعريفه: علم الحديث اقوال النبي عليه الصلاة و السلام وافعاله واحواله، وهذا التعريف هو المشهور عند علماء الحديث وهو الموافق لفنهم فيدخل في ذلك اكثر ما يذكر في كتب السيرة كوقت ميلاده عليه الصلاة و السلام ومكانه ونحو ذلك (الجزائری، طاہر بن محمد صالح، الشیخ العلامۃ الدمشقی (المتوفی ۱۳۳۸ھ)۔ توجیہ النظر الی اصول اہل الاثر، اعتنی بہ الشیخ عبدالفتاح ابوغدۃ۔ نشر مکتب المطبوعات الاسلامیۃ بحلب، تصویر الطبعۃ الاولی فی بیروت ۱۴۱۶ھ: ج ۱ ص ۳۷)

علامہ محمد بن جعفر کتانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۴۵ھ) کا فرمانا ہے:

واعلم ان علم الحديث لدى من يقول: إنه اعم من السنة هو: العلم المشتمل على نقل ما اضيف إلى النبي صلى الله عليه وسلم، او إلى صحابي، او إلى من دونه من الاقوال والافعال والتقارير والاحوال والسير و الايام حتى الحركات و السكنات في اليقظة و المنام واسانيد ذلك وروايته وضبطه وتحرير الفاظه، وشرح معانيه (الکتانی، محمد بن جعفر، السید العلامۃ (المتوفی ۱۳۴۵ھ)۔ الرسالۃ المستطرفۃ لبیان مشہور کتب السنۃ المشرفۃ، تقدیم محمد المنتصر بن محمد الزمزمی الکتانی۔ دارالبشائر الاسلامیۃ بیروت، الطبعۃ الخامسۃ ۱۴۱۴ھ: ص ۳۔ تعریف علم الحدیث)

ڈاکٹر مہدی رزق اللہ احمد نے درج ذیل الفاظ میں اس کا اعتراف کیا:

ممالا شك فيه ان معظم اصل مادة كتب المغازي والسير، هي مرويات مبثوثة في كتب السنة، حتى ان المحدثين عند ما عرفوا السنة، جعلوا السيرة جزا منها، فقالوا: إنها كل ما اثر عن الرسول صلى الله عليه وسلم من قول او فعل او تقرير اوصفة خلقيه او خلقية او سيرة (مہدی، رزق اللہ احمد، الدکتور۔ السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ۔ مرکز الملک فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیۃ، الریاض، الطبعۃ الاولی ۱۴۱۲ھ: ص ۲۰)

۱۵۔ الحاکم، محمد بن عبداللہ، الحافظ ابوعبداللہ النیسابوری (المتوفی ۴۰۵ھ)۔ معرفۃ علوم الحدیث۔ تصحیح وتعلیق ڈاکٹر سید معظم حسین۔ المکتبۃ العلمیۃ المدینۃ المنورۃ۔ الطبعۃ الثانیۃ ۱۳۹۷ھ تصویر طبعۃ دائرۃ المعارف العثمانیۃ،

حیدر آباد الدکن: ص ۲۳۸۔ والمطبوع باسم معرفۃ علوم الحدیث وکمیۃ اجناسہ۔ شرح وتحقیق احمد بن فارس سلوم۔ دار ابن حزم، بیروت، الطبعۃ الاولی ۱۴۲۴ھ: ص ۲۳۶

الخطیب، احمد بن علی بن ثابت، ابوبکر البغدادی (التوفی ۴۶۳ھ)۔ شرف اصحاب الحدیث ونصیحۃ اہل الحدیث۔ تحقیق وتخریج عمرو عبدالمنعم سلیم۔ نشر مکتبۃ ابن تیمیۃ، القاہرۃ، الطبعۃ الاولی ۱۴۱۷ھ: ص ۲۶

الجزائری، طاہر الدمشقی (التوفی ۱۳۳۸ھ)، توجیہ النظر الی اصول اہل العصر، ص ۴۶۵

تدوین سیر ومغازی: ص ۱۵

۱۶۔ القنوجی، صدیق حسن خان، السید ابو الطیب (التوفی ۱۳۰۷ھ)۔ الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ، دراسۃ علی حسن الحلبی۔ دار الجیل بیروت، دون تاریخ: ص ۱۱۸ و۱۲۰

کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا (متوفی ۱۹۷۶ء)۔ سیرت المصطفیٰ، فرید بک ڈپو دہلی، اشاعت ۱۹۹۹ء: ج ۱، ص ۳

۱۷۔ الدہلوی، عبدالعزیز بن الامام ولی اللہ (التوفی ۱۲۳۹ھ)۔ بستان المحدثین۔ تعریب الدکتور محمد اکرم الندوی، تقدیم العلامۃ السید ابوالحسن علی الندوی۔ طبعۃ دار الغرب الاسلامی بیروت، ص ۱۷۳، وص ۱۸۱۔ اس میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے عمل الیوم واللیلۃ اور الشفاء وغیرہ کو بیان کیا ہے۔

الکتانی، محمد بن جعفر (التوفی ۱۳۴۵ھ)۔ الرسالۃ المستطرفۃ لبیان مشہور کتب السنۃ المشرفۃ: ص ۱۰۵ تا ص ۱۱۰۔ اس موقع پر علامہ کتانی رحمہ اللہ نے سیر ومغازی کی ۲۹ کتابوں کو کتبِ حدیث میں شمار کیا ہے، اور ص ۱۹۷ تا ۲۰۳، سیرت وخصائص کی مزید ۳۳ کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔

'اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ میں سیرت کے موضوع پر مقالہ نگار تحریر فرماتے ہیں:

> یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل واخلاق وعادات سے متعلق احادیث ہی کو سیرت کہتے ہیں (مرتبہ زیر اہتمام دانش گاہ، پنجاب لاہور، طبع اول، ۱۹۷۵ء: ج ۱۱، ص ۵۰۶)

ہر چند کہ اس مقالے کا بیشتر مواد اور یہ بات بھی مولانا شبلی نعمانی کے مقدمۂ سیرت النبی سے ماخوذ ہے، جن کے سیرت اور حدیث کے مابین تفریق کے نظریہ کا جائزہ مع مالہ وماعلیہ آگے آرہا ہے، تاہم اس بات کے جواب میں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اگر مذکورہ مقالہ نگار کے ہاں شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ اور علامہ محمد بن جعفر کتانی جیسے محدثین کا کتبِ شمائل واخلاقِ نبوی وغیرہ کو اور کتبِ سیرت کو کتبِ حدیث میں شمار کرنا قابلِ تسلیم نہیں، تو کوئی بات نہیں، لیکن خود مولانا شبلی نعمانی نے امام ترمذی رحمہ اللہ کی شمائل کو نہ صرف کتبِ سیرت میں شمار کیا ہے، بل کہ اسی کی وجہ سے امام ترمذی رحمہ اللہ کو سیرت نگاروں کی فہرست میں جگہ بھی دی ہے، موصوف تحریر فرماتے ہیں:

> محمد بن عیسیٰ ترمذی (متوفی ۲۷۹ھ) مشہور محدث ہیں، سیرتِ نبوی میں ان کا خاص رسالہ ہے، جس کا موضوع گذشتہ تصانیف سے الگ ہے، اس رسالہ کا نام "کتاب الشمائل" ہے، جس میں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی حالات وعادات واخلاق کا ذکر ہے، اس بات کا التزام کیا ہے کہ تمام روائتیں معتبر اور صحیح ہوں۔ (مقدمۂ سیرت النبی ﷺ۔ ناشر دینی کتب خانہ اردو بازار لاہور، طبعِ چہارم ۱۹۷۵ء: ج۱، ص۶۰)

لہٰذا مولانا شبلی نعمانی کا اسے کتبِ سیرت میں شمار کرنا ہی اس بات کی تردید کے لئے کافی ہے۔

۱۸۔ الخطیب، احمد بن علی، الحافظ ابوبکر البغدادی (المتوفی ۴۶۳ھ)۔ الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع۔ تقدیم وتحقیق الدکتور محمد عجاج الخطیب، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت: ج۲، ص۲۸۷

۱۹۔ ندوی، سید سلیمانؒ، علامہ (متوفی ۱۹۵۳ء)۔ خطباتِ مدراس۔ مکتبہ اسلامیہ لاہور، سن ۲۰۱۰ء: ص۵۳ تا ۶۵

حمید اللہ، الدکتور محمد۔ مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ۔ دار النفائس بیروت، الطبعۃ السادسۃ ۱۴۰۷ھ: ص۴۱ تا ۳۶۰

الکتانی، محمد عبدالحیٔ، العلامۃ المحدث الفاسی (المتوفی ۱۳۸۲ھ)۔ نظام الحکومۃ النبویۃ المسمی التراتیب الاداریۃ۔ تحقیق الدکتور عبداللہ الخالدی۔ دار الارقم بیروت، الطبعۃ الثانیۃ بدون تاریخ: ج۱، ص۱۵۴ تا ۱۶۸

داناپوری، عبدالرؤف، مولانا حکیم ابوالبرکات قادری۔ اصح السیر: ص۱۱ تا ۱۳

احمد عبدالغفار، السید الدکتور۔ دراسات فی الحدیث الشریف۔ نشر دار المعرفۃ الجامعیۃ، الاسکندریۃ، سن ۲۰۰۰ء: ص۱۷ تا ۲۰

۲۰۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بن مسعود جو کفارِ مکہ کی جانب سے مذاکرات کے لئے آئے، انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی آں حضرت ﷺ سے والہانہ محبت کے جو مناظر دیکھے، ان ہی ان الفاظ میں جا کر کفارِ مکہ کو سنایا:

ای قوم واللہ لقد وفدت علی الملوك ووفدت علی قیصر وکسری والنجاشی واللہ إن رایت ملکا قط یعظمه اصحابه ما یعظم اصحاب محمد ﷺ محمدا، واللہ إن تنخمر نخامة إلا وقعت فی کف رجل منهم فدلك بها وجهه وجلده، وإذا امرهم ابتدروا امره، وإذا توضا کادوا یقتتلون علی وضونه، وإذا تکلم خفضوا اصواتهم عنده، وما یحدون إلیه النظر تعظیما له (البخاری، محمد بن اسماعیل، الامام (المتوفی ۲۵۶ھ)۔ الجامع الصحیح: ج۳، ص۱۹۴)

۲۱۔ کتبِ حدیث کی مراجعت کرنے والوں پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے فیض یافتگان کو جیسے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال، احکام وشرائع اور اوامر ونواہی سکھائے، ویسے ہی آپ ﷺ کے اوصافِ خَلقی وخُلقی بھی بتائے، بل کہ ان حضرات کے ہاں تو آپ کی سیرت سے متعلقہ امور کی یہ اہمیت تھی:

علی بن الحسین یقول: کنا نعلم مغازی النبی ﷺ وسرایاہ کما نعلم السورۃ من

القرآن (الخطیب، احمد بن علی، الحافظ ابوبکر البغدادی (المتوفی ۴۶۳ھ)۔ الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع: ج۲، ص ۲۸۷)

ان کے لئے آپ ﷺ سے متعلق ہر ہر چیز یکساں اہمیت کی حامل، اور ہر ہر نشست و برخاست لائق توجہ تھی، بہ طور مثال شمائل ترمذی میں آپ ﷺ کے حلیہ کے بیان پر مشتمل حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث ملاحظہ فرمایئے:

الحسن بن علی رضی اللّٰہ عنہما قال: سالت خالی هند بن ابی هالة وکان وصافا عن حلية النبی ﷺ، وانا اشتهی ان یصف لی منها شیئا اتعلق به، فقال: کان رسول اللّٰہ ﷺ فخما مفخما یتلالا وجهه تلالؤ القمر لیلة البدر....الخ (الترمذی، محمد بن عیسیٰ، الامام الحافظ ابوعیسیٰ (المتوفی ۲۷۹ھ)۔ الشمائل المحمدیۃ والخصائل المصطفویۃ۔ تحقیق سید بن عباس الجلیمی۔ المکتبۃ التجاریۃ مصطفیٰ احمد الباز مکۃ المکرمۃ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۱۳ھ: ص ۳۵)

غور کیجئے! آں حضرت ﷺ کی ظاہری شخصیت اور جسمانی خط و خال کو کس تفصیل اور محبت کے ساتھ محفوظ رکھا اور بیان کیا، حتیٰ کہ یہ ہی بات ان کی خصوصیت اور وجۂ شہرت قرار پائی، صغار صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم میں ان کے اس حسنِ بیان یا بیانِ حسن کے چرچے تھے، اور وہ بے ساختہ اسے سننے چلے آتے تھے، اوروں کو تو چھوڑیئے، نواسۂ رسول اللہ ﷺ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ باجود یکہ آپ کی گود میں ہی پلے بڑھے، کھیلے کودے، دوشِ مبارک پر سوار ہوتے رہے، اور آپ کی ہر ہر خوبی اور ادا کو انتہائی قریب سے دیکھ چکے تھے، ان کی زبانی یہ حلیۂ مبارکہ سننے، اور اس کو دل سے لگا کر رکھنے کا کیسا والہانہ اشتیاق رکھتے تھے، یہ اس حدیث سے ظاہر ہے۔

یہ ہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جب احادیثِ احکام بھی بیان کرتے تو اس میں حسبِ موقع آں حضرت ﷺ کی سیرت سے متعلق وہ باتیں بھی بیان کر جاتے، جن کا بظاہر ان احکام سے کوئی تعلق نہ ہوتا، بہ طور مثال صحیح مسلم میں چشم و چراغ خاندانِ نبوت حضرت ابوجعفر محمد بن علی باقر رضی اللہ عنہ وعنہم اجمعین کا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے آں حضرت ﷺ کے حج سے متعلق استفسار، اور ان کے جواب میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث ملاحظہ فرمایئے:

دخلنا علی جابر بن عبد اللّٰہ، فسال عن القوم حتی انتهی إلی، فقلت: انا محمد بن علی بن حسین، فاهوی بیده إلی راسی..... فقال: مرحبا بك یا ابن اخی، سل عما شئت! فسالته وهو اعمی .....فقلت: اخبرنی عن حجة رسول اللّٰہ ﷺ (النیسابوری، مسلم بن الحجاج، الامام الحافظ ابوالحسین القشیری (المتوفی ۲۶۱ھ)۔ الصحیح، اعتناء ابی

صہیب الکرمی۔ بیت الافکار الدولیۃ الریاض، ۱۴۱۹ھ: ص ۴۸۳ تا ۴۸۵، حدیث: ۱۲۱۸)

اس حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حج اور اس سے متعلقہ احکام کے ساتھ ساتھ ان ایام میں آپ ﷺ کے معمولات اور نشست و برخاست بھی بیان کئے ہیں، کتبِ حدیث میں اس کی مثالیں تلاش کئے بنا بھی جا بہ جا ملتی ہیں، نیز صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہر قسم کی احادیث سے اعتنا و اہتمام سے متعلق درج ذیل حوالہ جات بھی ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں:

الرازی، عبدالرحمٰن بن ابی حاتم محمد بن ادریس، ابومحمد الامام الحافظ (المتوفی ۳۲۷ھ)۔ تقدمۃ کتاب الجرح والتعدیل۔ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدرآباد الدکن، الطبعۃ الاولی ۱۲۷۱ھ: ج۱، ق۱، ص ۷ و ۸

الشیخ، عبدالستار۔ اعلام الحفاظ والمحدثین: ج۱، ص۱۱، وایضاً: ج۱، ص ۱۰۳ و ۱۰۴

۲۲۔ امامِ محمد بن مسلم بن شہاب زہری رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۶ھ) کی طرف اشارہ ہے کہ بہت سے حضرات نے علم حدیث کی تدوین کو ان ہی کا کارنامہ قرار دیا ہے (الکتانی، محمد بن جعفر، (المتوفی ۱۳۴۵ھ)۔ الرسالۃ المستطرفۃ لبیان مشہور کتب السنۃ المشرفۃ: ص۴)، جب کہ سیرت کے اوّلین مدونین میں بھی ان کا نام لیا جاتا ہے (داناپوری، عبدالرؤف، مولانا حکیم ابوالبرکات قادری۔ اصح السیر: ص۱۳۔ و مبارک پوری، مولانا قاضی اطہر۔ تدوینِ سیر و مغازی: ص ۲۷ او ۱۷۳۔ وندوی، عبداللہ عباس، مولانا۔ تاریخ تدوینِ سیرت۔ اشاعت دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد (انڈیا) باراول ۱۴۲۴ھ: ص ۲۸ وغیرہ)

۲۳۔ داناپوری، عبدالرؤف، مولانا حکیم ابوالبرکات قادری: اصح السیر: ص۱۳

۲۴۔ الحاکم، محمد بن عبداللہ، الحافظ ابوعبداللہ النیسابوری (المتوفی ۴۰۵ھ)۔ معرفۃ علوم الحدیث۔ تصحیح و تعلیق ڈاکٹر سید معظم حسین: ص۱۱۲

۲۵۔ الشیخ، عبدالستار۔ مقدمہ اعلام الحفاظ والمحدثین: ج۱، ص۶۰

۲۶۔ محمد شفیع، مولانا مفتی۔ مقامِ صحابہ: ص ۱۴ و ۱۵

۲۷۔ بہ طورِ مثال ہی سہی، دورِ قدیم کے چند نامور سیرت نگاروں کے حوالہ جات بھی درجِ ذیل ہیں:

الکلاعی، سلیمان بن موسیٰ، الامام ابوالربیع الاندلسی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۳۴ھ)۔ الاکتفاء فی مغازی رسول اللہ والثلاثۃ الخلفاء۔ تحقیق مصطفیٰ عبدالواحد۔ مکتبۃ الخانجی بالقاہرۃ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۷ھ: ج۱ ص۲ تا ۶

الصالحی، محمد بن یوسف، الشامی (۹۴۲ھ)۔ سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد۔ تحقیق الدکتور مصطفیٰ عبدالواحد۔ لجنۃ احیاء التراث الاسلامی، وزارۃ الاوقاف جمہوریۃ مصر العربیۃ، ۱۴۱۸ھ: ج۱ ص۱ تا ۶

ابن الدیبع، عبدالرحمٰن بن علی بن محمد، وجیہ الدین الشافعی (المتوفی ۹۴۴ھ)۔ حدائق الانوار ومطالع الاسرار فی سیرۃ النبی المختار۔ تحقیق عبداللہ ابراہیم الانصاری۔ المکتبۃ المکیۃ السعودیۃ، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۱۳ھ: ج۱، ص۹

الحلبی، علی بن برہان الدین الشافعی (التوفی ۱۰۴۴ھ)۔ انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون۔ المکتبۃ الاسلامیۃ بیروت، بدون تاریخ: ج۱ص۲

۲۸۔ ندوی، سید سلیمانؒ، علامہ (متوفی ۱۹۵۳ء)۔ خطباتِ مدراس۔ شائع کردہ مکتبہ اسلامیہ لاہور، سن اشاعت جون ۲۰۱۰ء: ص ۴۹

۲۹۔ داناپوری، عبدالرؤف، مولانا حکیم ابوالبرکات قادری۔ اصح السیر: ص ۱۶

۳۰۔ کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا: ج۱ص۳و۴

۳۱۔ حوالۂ بالا: ج۱ص۸و۹

۳۲۔ محمد بن رزق اللہ بن طرہونی، الشیخ۔ صحیح السیرۃ النبویۃ المسماۃ بالسیرۃ الذہبیۃ۔ دار ابن تیمیۃ للطباعۃ والنشر القاہرۃ، الطبعۃ الاولی ۱۴۱۰ھ: ج۱ص۴۳

۳۳۔ غضبان، منیر محمد۔ فقہ السیرۃ النبویۃ۔ معہد البحوث العلمیۃ واحیاء التراث الاسلامی، جامعۃ ام القری مکۃ المکرمۃ، ۱۴۱۹ھ: ص ۱۵

۳۴۔ حوالۂ بالا: ص ۲۸و۲۹

۳۵۔ داناپوری، عبدالرؤف، مولانا حکیم ابوالبرکات قادری۔ اصح السیر: ص ۸

۳۶۔ المقدسی، محمد بن طاہر، الحافظ ابو الفضل القیسرانی (متوفی ۵۰۷ھ)۔ شروط الائمۃ الستۃ۔ دار الکتب العلمیۃ بیروت، الطبعۃ الاولی، ۱۴۰۵ھ: ص ۲۰

القنوجی، صدیق حسن خان، السید ابو الطیب (التوفی ۱۳۰۷ھ)۔ الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ: ص ۱۲۷

الکتانی، محمد بن جعفرؒ (التوفی ۱۳۴۵ھ)۔ الرسالۃ المستطرفۃ لبیان مشہور کتب السنۃ المشرفۃ: ص ۲۰ تا ۲۶ و ۳۲

۳۷۔ داناپوری، عبدالرؤف، مولانا حکیم ابوالبرکات قادری۔ اصح السیر۔ ص ۹و۱۰

۳۸۔ حوالۂ بالا: ص ۱۶

۳۹۔ شبلی نعمانی، علامہ (متوفی ۱۳۳۲ھ)۔ مقدمۃ سیرت النبی ﷺ۔ دینی کتب خانہ لاہور، عکسِ طبع چہارم ۱۹۷۵ء: ج۱ص ۳۷ تا ۴۰ حاشیہ

۴۰۔ النیسابوری، مسلم بن الحجاج، الامام الحافظ ابو الحسین القشیری (التوفی ۲۶۱ھ)۔ مقدمۃ الصحیح، اعتناء ابی صہیب الکرمی۔ بیت الافکار الدولیۃ الریاض، ۱۴۱۹ھ: ص ۳۱ تا ۳۳۔ نیز امام بخاری و مسلم اور دیگر اربابِ صحاح کے مابین شرائطِ صحت وغیرہ کے اختلاف سے متعلق ملاحظہ فرمایئے: المقدسی، محمد بن طاہر، الحافظ ابو الفضل القیسرانی (متوفی ۵۰۷ھ)۔ شروط الائمۃ الستۃ: ص ۷ اوغیرہ

۴۱۔ داناپوری، عبدالرؤف، مولانا حکیم ابوالبرکات قادری۔ اصح السیر: ص ۱۱

۴۲۔ شہید کی نمازِ جنازہ کے بارے میں ائمہ فقہاء کا اختلاف ہے، اس کی بنیاد یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ نے شہدائے احد کی نمازِ جنازہ پڑھی تھی یا نہیں؟ اس میں صحیح بخاری اور ترمذی وغیرہ کی روایات میں نفی منقول ہے، جب کہ روایاتِ سیر میں اثبات ہے، فقہائے حنفیہ نے اس موقع پر کتبِ احادیث کے مقابل روایاتِ سیر کو ترجیح دے اس سے اس مسئلہ کا اثبات کیا ہے، حکیم عبدالرؤف داناپوری صاحب کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

شہدا کے صلاۃِ جنازہ سے متعلق اختلاف ہے، امام مالک وامام شافعی شہید پر صلاۃِ جنازہ منع کرتے ہیں، امام احمد کا دو قول ہے امام ابوحنیفہ واجب کہتے ہیں، جو لوگ منع کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور ﷺ نے یا خلفائے راشدین نے یا حضور کے حکام میں سے کسی نے غزوہ یا کسی موقع پر ایسے شہداء کے جنازہ کی نماز پڑھی ہو جو کہ معرکہ میں شہید ہوئے ہوں، غزوۂ احد کے متعلق حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت بخاری اور ترمذی میں موجود ہے کہ حضور ﷺ نے شہدا احد کو بلا غسل ان کے اپنے لباس میں بلا صلاۃ پڑھے ہوئے دفن کیا۔

علمائے احناف کہتے ہیں کہ تمام اصحابِ سیر لکھ رہے ہیں کہ غزوۂ احد میں حضور ﷺ نے شہدا کے جنازہ کی نماز پڑھی مانعین کہتے ہیں ان سب روایتوں میں کلام ہے، اور سب کی سند مجروح ہے، احناف کہتے ہیں ان روایتوں کی سندیں درجۂ حسن سے نازل نہیں ہیں، اور حدیثِ حسن قابلِ استدلال ہے، خصوصاً جب متعدد طریقہ سے اعتضاد موجود ہے۔ (اصح السیر: ص۱۱۲ و۱۱۳)

درجِ بالا اقتباس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ صحیحین یا کتبِ احادیث کی مرویات کی کتبِ سیرت کی روایات پر ترجیح کا یہ کلیہ جلیل القدر حنفی فقہاء کے ہاں قابلِ قبول نہیں، وہیں روایاتِ سیرت سے شرعی مسائل کے استنباط واستدلال کی اصولی حیثیت پر غور کی دعوت بھی مل رہی ہے۔

۴۳۔ لکھنوی، محمد عبدالحئی، ابوالحسنات (المتوفی ۱۳۰۴ھ)۔ الاجوبۃ الفاضلۃ للاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ۔ مع التعلیقات الحافلۃ بقلم الشیخ عبدالفتاح ابی غدۃ۔ نشر مکتب المطبوعات الاسلامیۃ حلب، الطبعۃ الثانیۃ، القاہرۃ ۱۴۰۴ھ: ص۶۶ تا ۱۰۱

۴۴۔ جالندھری، خیر محمد، مولانا (متوفی)، خیر الاصول فی حدیث الرسول، مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۴۴ھ، ص۹

۴۵۔ لکھنوی، محمد عبدالحئی، ابوالحسنات (المتوفی ۱۳۰۴ھ)۔ الاجوبۃ الفاضلۃ للاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ۔ مع التعلیقات الحافلۃ بقلم الشیخ عبدالفتاح ابی غدۃ: ص۶۶ تا ۱۰۱

۴۶۔ مولانا حکیم عبدالرؤف داناپوری صاحب تحریر فرماتے ہیں:

الغرض محدثین کے یہاں جو صحیح روایتیں ہیں، اصحابِ سیرت کو ان کی ترجیح میں کلام نہیں ہے، لیکن ان کو اپنی ضروریات کے لئے اور روائتیں بھی لینی پڑتی ہیں، جس کے لئے وہ اپنا معیار الگ قائم کرتے

ہیں۔(اصح السیر :ص۱۱)

۴۷۔ اللکھنوی، محمد عبدالحئی، ابوالحسنات (المتوفی ۱۳۰۴ھ)۔الاجوبۃ الفاضلۃ للاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ۔مع التعلیقات الحافلۃ بقلم الشیخ عبدالفتاح ابی غدۃ:ص ۶۶ تا ۱۰۱

۴۸۔ الحمیدی، عبدالعزیز بن عبداللہ الدکتور۔التاریخ الاسلامی مواقف وعبر۔السیرۃ النبویۃ، دارالدعوۃ الاسکندریۃ، الطبعۃ الاولی ۱۴۱۸ھ:ج۱ص ۲۴ تا ۲۶

۴۹۔ بل کہ علامہ شبلی نعمانی صاحب تو اپنے بیان کردہ اصول پر بھی پوری طرح کاربند نہیں رہے، چناں چہ ایمانِ ابو طالب، غزوۂ بنی مصطلق اور واقعۂ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا وغیرہ مواقع پر صحیح احادیث کو بالائے طاق رکھ کر روایاتِ سیرت کو ترجیح دی، اور متعدد مواقع پر کتبِ حدیث کے بہ جائے کتبِ سیرت پر اعتماد بھی کیا (تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے: صدیقی، ظفر احمد، ریڈر شعبہ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔مقالہ: مولانا شبلی بہ حیثیت سیرت نگار۔عکس طباعت سن ۲۰۰۱:ص ۱۱۷ تا ۱۳۷ باب سوم وچہارم)

۵۰۔ علامہ شبلی نعمانیؒ اسی مقدمہ میں کچھ آگے جا کر تحریر فرماتے ہیں:

زہری کے تلامذہ میں سے دو شخصوں نے اس فن میں نہایت شہرت حاصل کی، اور یہ ہی دو شخص ہیں جن پر اس سلسلہ کا فن ختم ہتا ہے، موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق۔

موسیٰ بن عقبہ خاندانِ زبیر کے غلام تھے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا فنِ حدیث میں امام مالک ان کے شاگرد ہیں، امام مالک ان کے نہایت مداح تھے، اور لوگوں کو ترغیب دیتے تھے کہ فنِ مغازی سیکھنا ہو تو موسیٰ سے سیکھو، ان کے مغازی کی جو خصوصیات ہیں، یہ ہیں:

۱۔ مصنفین اب تک روایات میں صحت کا التزام نہیں کرتے تھے، انہوں نے زیادہ تر اس کا التزام کیا ہے۔

۲۔ عام مصنفین کا مذاق یہ تھا کہ کثرت سے واقعات نقل کئے جائیں، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ ہر قسم کی رطب ویابس روایتیں آجاتی تھیں، موسیٰ نے احتیاط کی اور صرف وہی روایتیں لیں جو ان کے نزدیک صحیح ثابت ہوئیں، یہ ہی وجہ ہے کہ ان کی کتاب بہ نسبت اور کتبِ مغازی کے مختصر ہے۔ موسیٰ کی کتاب آج موجود نہیں، لیکن ایک مدت تک شائع وذائع رہی، اور سیرت کی تمام قدیم کتابوں میں کثرت سے اس کے حوالے آتے ہیں (مقدمہ سیرت النبی ﷺ: ج۱ص ۵۰)

۵۱۔ المزی، یوسف بن عبدالرحمٰن، جمال الدین ابوالحجاج (المتوفی ۷۴۲ھ)۔تہذیب الکمال فی اسماء الرجال۔ تحقیق الدکتور بشار عواد معروف۔مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۰۳ھ: ج ۲۹، ص ۱۱۹ وما بعدہ۔ الکتانی، محمد بن جعفر (المتوفی ۱۳۴۵ھ)۔الرسالۃ المستطرفۃ لبیان۔مشہور کتب السنۃ المشرفۃ :ص ۱۰۹ و ۱۱۰

۵۲۔ ان حوالوں سے جہاں موصوف کے دعویٰ کی حقیقت ثابت ہوتی ہے، وہیں یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ

محدثین کرام کو دیگر احادیث کی طرح مغازی وسیر کی احادیث میں بھی مروی عنہ شیخ میں شرائطِ روایت کو دیکھ بھال کر اس سے حدیث سننے کا لحاظ رہتا تھا۔ تعجب ہے کہ علامہ شبلی نعمانیؒ جیسے صاحبِ نظر بیک جنبشِ قلم تمام متقدمین سیرت نگاروں کو عدمِ التزامِ صحت کا الزام دے رہے ہیں، حال آں کہ غور کرنے والوں کو متقدمین کی کتابوں میں بھی بہت سے محاسن نظر آتے ہیں، چناں چہ معروف محدث علامہ ابن الدیبع (متوفی ۹۴۴ھ) کی کتاب حدائق الانوار کے بارے میں شیخ منیر محمد غضبان تحریر کرتے ہیں:

الثانية: ماكتبه المحدث ابن الديبع الشيباني في السيرة وسماه حدائق الانوار ومطالع الاسرار، اعتمد اوثق الروايات واصحها فقط في عرض السيرة النبوية، ولكنه لم يتمكن من سد الفجوات كلها في عرض السيرة النبوية المطهرة (فقہ السیرۃ النبویۃ: ص۱۸)

نیز ڈاکٹر فاروق حمادہ نے بھی چند متقدم کتبِ سیرت پر اپنے تبصرے میں بہ طور خاص حافظ شمس الدین ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ) کی ''تاریخ الاسلام'' کے سیرت سے متعلق حصہ کو خاصا معتبر قرار دیا ہے (ملاحظہ فرمائیے: مصادر السیرۃ النبویۃ وتقویمہا۔ دار القلم بیروت، الطبعۃ الثالثۃ: ص۱۵۴ تا ۱۶۷)

۵۳۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، (المتوفی ۲۵۶ھ)۔ الجامع الصحیح، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق: ج۵، ص۱۰۷، وایضاً، باب غزوۃ بنی المصطلق: ج۵، ص۱۱۵، وایضاً، باب غزوۃ الطائف: ج۵، ص۱۵۶

۵۴۔ شبلی نعمانی، علامہ، مقدمۂ سیرت النبی ﷺ: ج۱، ص۲۰

۵۵۔ لکھنوی، محمد عبدالحی، ابوالحسنات (المتوفی ۱۳۰۴ھ)۔ الاجوبۃ الفاضلۃ للاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ۔ مع التعلیقات الحافلۃ بقلم الشیخ عبدالفتاح ابی غدۃ: ص۲۰ تا ۶۵

۵۶۔ السباعی، الدکتور مصطفیٰ (متوفی ۱۹۶۴ء)۔ السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی۔ تقدیم الدکتور محمد ادیب صالح۔ المکتب الاسلامی بیروت، الطبعۃ الثانیۃ: ص۳۰۰ ومابعدہ

۵۷۔ نصرپوری، محمد اکرم بن عبدالرحمٰن۔ العلامۃ القاضی المحدث (من اعلام القرن الحادی عشر)۔ امعان النظر فی توضیح نخبۃ الفکر۔ تحقیق الدکتور ابوسعید غلام مصطفیٰ القاسمی۔ نشر الرحیم اکادمی کراچی، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۲۹ھ: ص۶۳

۵۸۔ محمد شفیع، مولانا مفتی اعظم۔ مقامِ صحابہ: ص۱۲ و۱۳

۵۹۔ جالندھری، خیر محمد، خیر الاصول فی حدیث الرسول: ص۸

۶۰۔ حوالۂ بالا

۶۱۔ محمد شفیع، مولانا مفتی اعظم۔ مقامِ صحابہ: ص۸

۶۲۔ العونی، حاتم بن عارف الشریف۔ اضاآت بحثیۃ فی علوم السنۃ النبویۃ۔ اعتناء ہانی بن منیر السویہری۔

دار الصمیعی الریاض، الطبعۃ الاولی ۱۴۲۸ھ: ص ۲۷۰

۶۳۔ داناپوری، عبدالرؤف، مولانا حکیم ابوالبرکات قادری: اصح السیر: ص ۹

۶۴۔ غضبان، منیر محمد۔ فقہ السیرۃ النبویۃ: ص ۲۸و۲۹

۶۵۔ الحاکم، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحافظ النیسابوری (المتوفی ۴۰۵ھ)۔ المستدرک علی الصحیحین۔ مع انتقادات الحافظ شمس الدین الذہبی (المتوفی ۷۴۸ھ)۔ تذییل ابی عبدالرحمٰن مقبل بن ہادی الوادعی۔ دار الحرمین القاہرۃ، الطبعۃ الاولی ۱۴۱۷ھ: ج ۱ ص ۱۷۶، رقم الحدیث ۱۸۵۲

۶۶۔ الخطیب، احمد بن علی بن ثابت البغدادی (المتوفی ۴۶۳ھ)۔ الکفایۃ فی علم الروایۃ۔ جمعیۃ دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدرآباد الدکن، ۱۳۵۷ھ: ص ۱۳۳

۶۷۔ الرازی، عبدالرحمٰن بن ابی حاتم محمد بن ادریس، ابومحمد الامام الحافظ شیخ الاسلام۔ تقدمۃ کتاب الجرح والتعدیل۔ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدرآباد الدکن، الطبعۃ الاولی ۱۳۷۱ھ: ج ۱، ق ۱ ص ۷

۶۸۔ السخاوی، محمد بن عبدالرحمٰن الشافعی، شمس الدین ابوالخیر (المتوفی ۹۰۲ھ)۔ فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث۔ دراسۃ وتحقیق الدکتور عبدالکریم بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن الخضیر والدکتور محمد بن عبداللہ بن فہید آل فہید۔ دار المنہاج الریاض، الطبعۃ الاولی ۱۴۲۶ھ: ج ۲ ص ۱۵۱و۱۵۲

۶۹۔ ابن عبدالبر، ابی عمر یوسف بن عبداللہ النمری القرطبی (المتوفی ۴۶۳ھ)۔ جامع بیان العلم وفضلہ، تحقیق۔ ابوالاشبال الزہیری، الناشر: مؤسسۃ الریان دار ابن الجوزی المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، الطبعۃ الاولی ۱۴۱۴ھ۔ ج ۱ ص ۱۰۴

۷۰۔ الخطیب، احمد بن علی بن ثابت البغدادی۔ الکفایۃ فی علم الروایۃ: ص ۱۳۳

۷۱۔ لکھنوی، محمد عبدالحئی، ابوالحسنات الہندی (المتوفی ۱۳۰۴ھ۔ الاجوبۃ الفاضلۃ للاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ، مع التعلیقات الحافلۃ بقلم الشیخ عبدالفتاح ابی غدۃ: ص ۳۶ تا ۶۵

۷۲۔ الحلبی، علی بن برہان الدین الشافعی (المتوفی ۱۰۴۴ھ)۔ انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون، المکتبۃ الاسلامیۃ بیروت، بدون تاریخ: ج ۱ ص ۲

۷۳۔ داناپوری، عبدالرؤف، مولانا حکیم ابوالبرکات قادری۔ اصح السیر: ص ۱۰ تا ۱۱

۷۴۔ محمد بن رزق اللہ بن طرہونی، الشیخ۔ صحیح السیرۃ النبویۃ المسماۃ بالسیرۃ الذہبیۃ۔ دار ابن تیمیۃ للطباعۃ والنشر القاہرۃ، الطبعۃ الاولی ۱۴۱۰ھ: ج ۱ ص ۱۸ وکذا فی ص ۳۷

اسی طرح دورِ جدید کے ایک نامور محقق مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کے ایک مقالہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ غیر مستند روایاتِ میلاد وغیرہ کو صرف اس بنا پر معتبر جانتے ہیں کہ وہ جلیل القدر محدثین کی کتب میں مروی ہیں، اگرچہ وہ ناقدینِ حدیث کی نظر میں بالکل غیر معتبر ہی کیوں نہ ہوں (ملاحظہ فرمائیے: سلطان احمد، مجموع

مقالاتِ سیرت، از مولانا عبدالماجد دریابادی، مقدمہ وترتیبِ نو ڈاکٹر تحسین فراقی، مطبوعہ دارالتذکیر لاہور: ص۱۴۱تا۱۴۶)

۷۵۔ الغزالی، محمد، فقہ السیرۃ۔تخریج العلامۃ محمد ناصرالدین الالبانی۔دارالشروق، ب ت: ص۱۴

۷۶۔ مقدمۂ کتاب ''پیغمبرِ انسانیت۔تالیف مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی۔ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور، طبع پنجم ۲۰۰۶ء: ص۱۲

۷۷۔ کلماتِ بابرکات درابتدا کتاب سیرۃ المصطفیٰ: ج۱، بدون صفحہ نمبر

۷۸۔ ملاحظہ فرمایئے: مقدمہ سیرت النبی ﷺ: ص۶۶ تا ۱۰۲

۷۹۔ السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ۔مکتبۃ العلوم والحکم المدینۃ المنورۃ، الطبعۃ السادسۃ ۱۴۱۵: ج۱، ص۱۴۔

۸۰۔ صحیح السیرۃ النبویۃ۔تقدیم الدکتور عمر سلیمان الاشقر۔مراجعۃ الدکتور ہمام سعید۔دارالنفائس الاردن، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۱۵ھ: ص۱۲

۸۱۔ حیاۃ محمد۔دارالمعارف مصر، الطبعۃ الرابعۃ عشر، ب ت: ص۴۶

۸۲۔ حوالۂ بالا: ص۸۰

۸۳۔ مقامِ صحابہ: ص۲۸